دروازہ کھلا۔اس نے اندر قدم رکھا۔بنا دیکھے دیوار پہ ہاتھ مارا اور سیدھا دوسرا بٹن دبایا۔داخلی حصے کی بتی جل اٹھی۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اندر آیا۔گردن گھما کر چھت' کھڑکیوں' دیواروں کو دیکھتا وہ راہداری سے گزر رہا تھا۔

گھر باہر سے پینٹ شدہ تھا' کہ کاردارز اپنا گھر پینٹ کرواتے تو اس کا بھی بیرونی حصہ کروا دیتے کہ ان کے لان سے وہ دکھائی دیتا تھا۔البتہ اندر سے گھر معمولی تھا۔نارمل فرنیچر' چپس کا فرش' دیوار اور چھت کے ملنے کی جگہ پہ اکھڑا پینٹ۔

وہ آگے بڑھتا گیا۔جواہرات نے یہاں کی صفائی کروادی تھی۔آج وہ صاف ستھرا سا پڑا تھا۔مگر پھر بھی پرانا اور معمولی لگتا تھا۔

لاؤنج چھوٹا سا تھا۔اس کے ایک طرف کھانے کی گول میز رکھی تھی۔ڈرائنگ روم الگ تھا۔سیڑھیاں اوپر جاتیں۔ایک طرف دروازہ تھا جہاں سے سیڑھیاں بیسمنٹ میں جاتیں۔بیسمنٹ تہہ خانے کی طرح تھی۔پورے گھر کے رقبے پہ پھیلا کمرہ جس میں ستون تھے' مگر دیواریں ندارد....اس تہہ خانے میں کاٹھ کباڑ تھا۔فارس ادھر نہیں گیا۔وہ اوپری منزل پہ آیا۔آگے ٹیرس بھی تھا اور اندر دیوار پہ ایک تصویر تھی۔

تصویر میں وہ ہلکا سا مسکرا رہا تھا۔بالکل ہلکا سا۔ایش گرے ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا۔بال اب جیسے تھے۔ساتھ ایک ساڑھی میں ملبوس لڑکی کھڑی تھی۔اسٹیپ میں کٹے بال' بڑے جھمکے' جاذب نظر۔وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

فارس پلٹ گیا۔اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔باتھ روم میں آکر اس نے نل کھولا اور آستین موڑ کر وضو کرنے لگا۔

ٹیرس سے باہر روشنی میں نہایا قصر دکھائی دے رہا تھا۔اندر ملازموں کی چہل پہل جاری تھی۔جواہرات سربراہی کرسی پہ براجمان نزاکت سے چھری کانٹے سے اسٹیک کا ٹکڑا توڑ رہی تھی۔دائیں ہاتھ بیٹھا ہاشم پلیٹ پہ جھکا کھانے میں مگن تھا۔اس کے موبائل کی میسج ٹون وقفے وقفے سے بج رہی تھی۔جواہرات کے دوسرے ہاتھ بیٹھا نوشیرواں بے دلی سے کانٹا پلیٹ میں الٹ پلٹ کر رہا تھا۔اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔

''تم آج پھر آفس نہیں آئے۔''جواہرات نے کانٹا چلاتے بس نگاہیں اٹھا کر شیرو کو دیکھا۔اس نے بیزاری سے چہرہ اٹھایا۔

''آپ لوگ مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے؟''

''ممی!''ہاشم نے نگاہوں میں جواہرات کو تنبیہہ کی۔اس نے ذرا سے شانے اچکائے۔

''میرا خیال تھا تم اب تک اپنے بھائی کو سمجھا چکے ہو گے۔مگر یہ ہنوز اس عورت کے غم میں ہے جو اس کو گدھا سمجھ کر استعمال کر کے چلی گئی۔''

''آپ چاہتی ہیں میں ٹیبل سے اٹھ جاؤں؟''اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

''شیرو!بدتمیزی مت کرو۔وہ ہماری ماں ہیں۔''

اور جس طرح ہاشم نے صرف نگاہ اٹھا کر سختی سے کہا تھا' نوشیرواں نے گردن جھکالی۔جواہرات نے گہری سانس لے کر گلاس لبوں سے لگایا۔

''میں اس دن کا انتظار کر رہی ہوں جب تمہیں احساس ہوگا کہ تمہاری ماں اور تمہارا بھائی تمہیں پروٹیکٹ کرنے کے لیے کیا کیا کرتے رہے۔اور یہ پورا ہفتہ ہم نے تمہارا خوامخواہ کا غصہ برداشت کیا ہے۔تم ہمیں ہی مورد الزام ٹھہرا رہے ہو؟اگر سعدی نے (اور اس نام پہ نوشیرواں کی پسلیاں پھٹنے کو تھیں) کچھ برا کیا بھی ہے تو تمہارے بھائی کے ساتھ۔اور جب وہ کہہ رہا ہے کہ وہ اسے سنبھال لے گا تو تم کیوں اپنا خون جلا رہے ہو؟''

نوشیرواں نے کانٹا رکھ دیا۔بس کھا چکا تھا وہ۔

''فارس چلا گیا؟''ہاشم نے دانستہ ماں کو دیکھتے ہوئے موضوع بدلا۔وہ ابھی....ٹھنڈے انداز میں شیرو کی مزید کلاس لے سکتی تھی مگر

ہاشم کے مسلسل نگاہوں سے تنبیہہ کرنے پہ گہری سانس لے کر بولی۔

''مہمان سے چار دن بعد بدبو آنے لگتی ہے۔ سو آج اس کا گھر تیار کروا دیا تھا۔''

نوشیرواں اٹھنے کے لیے پر تول رہا تھا مگر بہر حال اس میں اتنی جرأت نہ تھی کہ بڑے بھائی اور ماں کے سامنے سے یوں اٹھ جائے۔

ہاشم کا موبائل پھر بجا۔ اس نے ایک ہاتھ سے کانٹا لبوں تک لے جاتے' دوسرے سے فون کان سے لگایا۔ ''جی.....جی.....آپ کا کام ہو گیا تھا۔ میں صبح تک کیس فائل آپ کو بھجوا دوں گا۔ جی بالکل۔'' اس نے پلیٹ پرے کی اور دوسرا نمبر ملانے لگا۔ ہاشم کے ہر وقت بجتے فون کے وہ عادی تھے۔

''جی زمر! کیسی ہیں آپ؟''

ان دونوں نے چونک کر اسے فون پہ کہتے سنا۔

''میں نے آپ کو ایک کیس فائل کا کہا تھا۔ او کے۔ وہ کاپی ہو گئی؟ اچھا۔ میں ڈرائیور کو بھیج دیتا ہوں۔ آپ کے گھر سے پک کر لے گا۔'' اس نے رک کر سنا۔

''آپ کدھر ہیں؟ خیریت؟ سعدی کی طرف؟ اچھا۔'' ہاشم بات دہرانے کا عادی نہ تھا مگر چونکہ یہ اس کے لیے بھی غیر متوقع تھا' سو وہ دہراتا گیا۔ نگاہ اٹھا کر شیرو کو دیکھا۔ وہ بھنویں بھینچے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''چلیں جب آپ واپس آئیں۔ اچھا۔ صبح وہیں سے کورٹ جائیں گی؟ او کے۔ کوئی مسئلہ نہیں۔ آ.....سعدی قریب ہے تو میری بات کروا دیں۔'' وہ کہتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔ جواہرات بھی نیپکن سے لب تھپتھپاتی ادھر ہی متوجہ تھی۔

''کیا حال ہے سعدی؟'' وہ بولا تو آنکھوں میں سرد مہری در آئی۔ نوشیرواں نے ''ہونہہ'' کہہ کر استہزائیہ سر جھٹکا۔

''میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ ایسا ہے کہ صبح میری سیکرٹری تمہیں کال کر کے کل کی اپائنٹمنٹ دے گی۔ ضرور آنا۔ میں انتظار کروں گا۔'' کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔

''یہ گرایا آپ نے اسے ڈی اے کی نظروں سے کہ وہ ایک دفعہ پھر فیملی بن گئے؟''

''وہ کل آئے گا۔ میں اس سے بات کروں گا اور میں سب سنبھال لوں گا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم سعدی یوسف obsession (آسیب) سے نکل آؤ۔'' ہر فقرہ توڑ توڑ کر تحمل سے ادا کیا۔

''نوشیرواں.....ریلیکس۔'' جواہرات نے اب کے نرمی سے شیرو کا ہاتھ دبایا۔ اس نے بظاہر خود کو نارمل کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بہر حال تاثرات چھپانے میں ماں اور بھائی جیسا ماہر نہ تھا۔

''یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ بڑی بات تب ہوتی اگر سعدی کے ہاتھ کچھ ایسا لگتا جو ہمیں نقصان دے۔''

''میں سمجھ گیا۔ میں ٹھیک ہوں۔'' وہ اپنا موبائل نکالتے ہوئے اٹھ گیا۔ جواہرات نے قدرے تشویش سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

''سرمد وغیرہ نے باہر کھانے کا پروگرام بنایا تھا۔ پہلے انکار کر دیا' اب چلا ہی جاتا ہوں۔ موڈ اچھا ہو جائے گا۔ ورنہ جب تک یہ سعدی یوسف زندہ ہے' میری زندگی مسائل کا شکار ہی رہے گی۔'' سر جھٹک کر کہتا وہ نکلنے لگا۔ پھر جیسے اپنی ہی بات نے سوچ کا ایک نیا در دکھایا۔

''مر کیوں نہیں جاتا یہ سعدی آخر! اتنے تو بم بلاسٹ ہوتے ہیں روز۔'' وہ تو کہہ کر نکل گیا مگر ہاشم بے اختیار سانس روک کے اس کو دیکھنے لگا۔

''سوچ سمجھ کر بولا کرو!'' اس نے عقب سے قدرے برہمی سے پکارا۔ شیرو نے مڑے بغیر ''بائے'' کا ہاتھ ہلایا اور آگے بڑھتا

گیا۔

''مجھے یقین نہیں ہے وہ دوستوں کے پاس جا رہا ہے۔''

''اگر آپ اسی طرح ہر وقت اس کو منفی رخ دکھاتی رہیں تو وہ واقعی کسی کے پاس جانے کے قابل نہیں رہے گا۔''

''تمہارے خیال میں میں اس کی بھلائی نہیں چاہتی؟''

''کیا ہم سکون سے کھانا کھا سکتے ہیں؟'' ہاشم واپس پلیٹ کی طرف متوجہ ہوا۔

''شیور!'' جواہرات نے نزاکت سے شانے اچکائے۔ انگلی سے سامنے گرے بال پیچھے کیے اور گھونٹ گھونٹ جوس پینے لگی۔

❖❖❖

باب3:

پہلا تاثر، پہلا تعارف

''پہلا تاثر۔ پہلا تعارف۔''
محبت صابر ہوتی ہے۔
محبت مہربان ہوتی ہے۔
یہ حسد نہیں کرتی، شیخی نہیں بگھارتی۔
مغرور نہیں ہوتی۔
یہ ترش نہیں ہوتی، خودشناس ہوتی ہے۔
جلد غصہ نہیں کرتی، غلطیوں کا حساب نہیں رکھتی۔
بدی میں خوش نہیں ہوتی، صرف سچ میں تسکین پاتی ہے۔
ہمیشہ حفاظت کرتی ہے، ہمیشہ بھروسہ کرتی ہے۔
ہمیشہ امید رکھتی ہے، ہمیشہ ثابت قدم رہتی ہے۔
محبت کبھی ناکام نہیں ہوتی۔
مگر جو پیش گوئیاں ہیں۔
وہ ختم ہو جائیں گی۔
جو زبانیں ہیں۔
وہ خاموش کرادی جائیں گی۔
اور جو علم ہے....
وہ دم توڑ جائے گا....
(عہد نامہ جدید، انجیل مقدس)

مرحوم ذوالفقار یوسف کے چھوٹے باغیچے والے گھر میں اس رات کسی تہوار کی طرح رونق بکھری تھی۔ گول میز کے گرد سعدی کی والدہ اور بہن بھائی کے علاوہ وعدے کے مطابق پھپھو اور دادا بھی تھے اور وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ بڑے ابا ندرت کو خاندان میں کسی کی قصہ سناتے ہوئے اس بات کو اپنے ماضی کی کسی یاد سے جوڑتے پیچھے چلے گئے تھے اور اب کوئی لمبی سی مثال دے رہے تھے۔

''بڑے ابا اصل میں امتحانی پرچوں میں دی گئی اس ہدایت پہ عمل کرتے ہیں جو کہتی ہے مندرجہ بالا تصویر کو مثالوں سے

واضح کریں۔''

وہ ساتھ ساتھ ان کی ہر بات پہ تبصرہ بھی کر رہا تھا۔ بڑے ابا نے تو کوئی توجہ نہ دی۔ زمر البتہ مسکراہٹ دبائے کھانا کھاتی رہی۔ حنین قدرے لاتعلق بیٹھی (صرف زمر سے) کھا رہی تھی۔ (ہونہہ جب پتا چلا کہ بھائی نے گردہ دیا ہے تو آ گئیں۔ اب بھائی اچھا ہو گیا) اور سیم اپنے بھائی کے کھانے اور بولنے کے انداز کی بھرپور نقالی کی کوشش میں پرجوش سا لگ رہا تھا۔

''پھپھو! میں اس دفعہ سیکنڈ آیا تھا ایگزامز میں۔'' مہمان کے سامنے تو وہ آواز کو اتنا معصوم اور شرمیلا بنا لیتا تھا کہ حنین نے تعجب سے گھورا۔ مگر وہ کہے جا رہا تھا۔ ''اور جولڑ کا تھرڈ آیا' وہ مجھ سے آگے بیٹھا تھا اور پرچی بنا کر مجھ سے پچھلے والے کو نقل کروا رہا تھا۔ اور میں نے اسے....''

''سیم یوسف!'' حنین نے اضطراب سے پہلو بدلتے ٹوکا۔ ''اگر آپ ہمیں اپنی باتوں سے کچھ دیر مستفید نہ کریں تو کتنا اچھا ہو۔''

راز پرانے ہونے کے ساتھ وزنی ہوتے جاتے ہیں۔ اس کے کندھوں پہ دھرا بوجھ اور بھی بڑھ گیا۔

سیم نے اداسی سے منہ لٹکا لیا۔ پھر زمر کو دیکھا۔ وہ کھانا ختم کر چکی تھی اور باوقار انداز میں پیچھے ہو کر بیٹھی مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ سیم کی آنکھوں میں امید جھلکی۔

''پھپھو میں بولتا رہوں؟''

''ہاں تم بولتے رہو۔'' زمر نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ وہ زیادہ پرجوش ہو کر وہی قصہ دہرانے لگا۔

حنین سر جھٹک کر پانی پینے لگی۔ اس کا انداز کھنچا کھنچا سا تھا۔ یہ زمر نے پہلے بھی محسوس کیا تھا اور اب تو سب نے ہی کیا' مگر سعدی نے نظرانداز کر دیا۔ اور زمر تو ویسے بھی متحمل مزاج اور میچور تھی۔ اس نے یوں ظاہر کیا جیسے محسوس ہی نہ کیا ہو۔ اور سیم کے ماتھے کے بال نرمی سے سلوارتی مسکرا کر اس کو سننے لگی۔

سیم کو اب پچھلی بات بھول گئی تھی۔ اسے نئی فکر نے آن گھیرا تھا۔

''پھپھو! بھائی جب چھوٹا تھا تو کیسا تھا؟''

سعدی فرج کے دروازے کو کھولے کھڑا پانی کی بوتل نکال رہا تھا۔ اس سوال پہ فوراً پلٹا۔ ''سعدی جیسا کوئی نہیں ہے پھپھو کے لیے۔'' اس نے واضح سیم کو چڑایا۔

''ہاں مگر سیم کی اپنی جگہ ہے۔'' زمر نے سیم کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''بھائی جیسا کوئی کیوں نہیں ہے؟''

''اس لیے سیم کہ جب سعدی تم جتنا تھا' تو میں حنین جتنی تھی۔ اور ہم بہترین دوست تھے۔ ہمارا اسکول بھی ایک تھا۔ اور اسکول جانے سے پہلے اپنے اپنے گھر سے ہم ایک ہی کارٹون دیکھ کر نکلا کرتے تھے۔ ہمارے زمانے میں صبح سات بجے پی ٹی وی پہ کارٹون لگا کرتے تھے۔''

سعدی بوتل ہاتھ میں لیے واپس کرسی پہ آ بیٹھا۔ حنین خاموشی سے ندرت کے ساتھ برتن اٹھوانے لگی۔ کھانا کھایا جا چکا تھا اور وہ مزید امر کے قریب نہیں بیٹھنا چاہتی تھی۔

''اور ہمیں گیمز بھی ایک ہی طرح کی پسند تھیں زمر!'' سعدی یاد کر کے مسکراتے ہوئے بتانے لگا۔ ''ہم برف پانی' اونچ نیچ' پکڑن لڑائی' ٹیلوا یکسپریس کھیلا کرتے تھے۔ اور ہاں کنگ اور ڈارک روم اور کونا کونا بھی۔''

''اور وہ ویڈیو گیم یاد ہے بطخ والی سعدی؟ ڈک ہنٹ؟ ہم پستول سے ٹی وی اسکرین پہ فائر کیا کرتے اور اڑتی ہوئی بطخیں گر جاتیں۔'' حنین نے ایک دم سر اٹھایا۔ میز صاف کرتے ہاتھ رکے۔

''وہ پستول ابھی بھی پڑی ہے ہمارے پاس!'' بے اختیار وہ کہہ اٹھی۔ اس پہ زمر نے مسکرا کر اسے دیکھا تو وہ ایک دم جلدی جلدی اپنا کام ختم کرنے لگی۔

''اور اس میں سپر ماریو بھی تھی اور ٹینکس والی ایک گیم بھی۔ اور پھپھو یاد ہے ہم گھنٹوں بیٹھ کر monopoly کھیلا کرتے تھے۔ مگر میں مونوپلی میں ہمیشہ دیوالیہ ہو جاتا تھا۔ کیونکہ پھپھو اتنی اچھی پلانز تھیں کہ ساری بہترین زمینیں خرید لیتیں اور میں ٹھہرا جذباتی اور ناکام پلانز میری گوٹ جیل میں ہی پھنسی رہتی۔''

''اور سعدی! وہ ایک کارڈ گیم بھی تو ہم کھیلتے تھے۔ رنگ برنگے کارڈز جن پہ نمبر لکھے ہوتے تھے۔'' زمر نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ حنین جو واپس آ بیٹھی تھی' پھر سے خود پہ قابو نہ رکھ سکی۔ بنا سوچے سمجھے بولی۔

''وہ اونو (ONO) تھی۔ ہمارے پاس ابھی بھی پڑی ہے۔''

''اچھا واقعی؟ تمہیں وہ بہت پسند تھی حنین' مجھے یاد ہے۔ اور تمہیں یسو پنجو' اکڑ بکڑ ٹائپ کی گیمز بھی بہت پسند تھیں۔'' زمر اب رخ بالکل حنین کی طرف موڑ کر بولی تو حنین کے لبوں پہ ایک بھولی بسری مسکراہٹ آ ٹھہری۔

''اور آپ کو عینک والا جن بہت پسند تھا۔''

''خیر مجھے تو نستور پسند تھا۔ اور نستور کے بارے میں میں اپنی فیلنگز چھپانے کی بالکل قائل نہیں ہوں۔''

حنین کی مسکراہٹ اور بھی بڑھی۔ ''اور آپ کو دھواں ڈرامہ بھی بہت پسند تھا۔ ہمارے پاس کیسٹس تھیں اس کی۔ اور آپ ہر دفعہ داؤد کے مرنے کے سین پہ اٹھ کر چلی جایا کرتی تھیں۔''

''اوہ حنین میں تو یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ڈرامہ نگار اسی کردار کو کیوں مار دیتا ہے جس کو ہم بہت پسند کرتے ہیں۔''

''اونہوں!'' حنین نے نفی میں سر ہلایا۔ ''انہیں جس کردار کو مارنا ہوتا ہے' وہ آپ کو پسند کرنے پہ مجبور کر دیتے ہیں۔''

''پھپھو! مجھے بھی ONO کھیلنی آتی ہے۔ کیا ہم کھیلیں؟'' سیم سے زیادہ دیر نظر انداز ہونا برداشت نہیں ہوا۔ حنین چونکی۔ پھر مسکراہٹ دھیمی ہوئی۔ ذرا پیچھے ہو کر بیٹھی۔ وہ کس خوشی میں اتنا بولے جا رہی تھی بھلا؟ خود کو ڈانٹا۔

''ہاں اونو کھیلتے ہیں۔'' سعدی نے اس کو بغور دیکھتے درمیان کا راستہ نکالا۔

''جاؤ حنہ اونو لے آؤ۔ مگر کارڈز میں shuffle کروں گا۔ یاد ہے پھپھو! حنہ اپنے گھٹنے کے نیچے ڈراور کے چاروں کارڈ پہلے ہی چھپا لیتی تھی۔ اس لیے میں کبھی بھی نہیں جیتا تھا۔ مجھے آج احساس ہو رہا ہے کہ میں یہ سارے گیم ہمیشہ ہار جاتا ہوں۔ اس لیے حنہ! تم اپنی چیٹنگ کرنے کی صلاحیتوں سے باز رہنا۔'' مصنوعی ناراضی سے اس نے حنین کو دیکھتے ہوئے کہا مگر.....

حنین ذوالفقار یوسف خان۔ بالکل ساکت رہ گئی۔ سعدی کو بے یقینی سے دیکھتی اس کی نگاہیں پتھرا گئیں۔ رنگت سفید پڑی جیسے وہ کوئی برف کا مجسمہ ہو۔

''میں.... چیٹنگ نہیں کرتی بھائی۔'' اس نے اتنی بے یقینی سے اسے دیکھتے کہا تھا کہ سعدی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ حنین ایک دم کھڑی ہوئی۔ زمر نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں کارڈز لاتی ہوں۔'' وہ مڑ گئی۔ سعدی فوراً اس کے پیچھے لپکا۔

''آئی ایم سوری۔ میں نے.... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ سعدی کے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی جب وہ اس کے سامنے آیا۔ حنین سر ہلا کر جھک کر دراز کھولنے لگی۔

''مجھے پتا ہے تم کبھی چیٹنگ نہیں کر سکتیں۔ میں صرف مذاق کر رہا تھا۔''

''آئی نو۔'' اس نے کارڈ زنکالے اور دراز بند کر کے سیدھی ہوئی۔ وہ اسی طرح فکرمندی سے اپنی بہن کو دیکھ رہا تھا جس کی رنگت ہنوز سفید تھی۔

''حنین! ہمارا مسیحا صرف ایک شخص ہوتا ہے اور وہ ہم شخص ہم خود ہوتے ہیں۔''

''مجھے پتا ہے بھائی!'' اس نے سر ہلا کر پھیکا سا مسکرانے کی کوشش کی۔ پھر مڑی تو ایک دم قدم زنجیر ہوئے۔

سعدی کا لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا۔ زمر کے آنے سے قبل وہ جو کام کر رہا تھا' وہ یونہی رکھا تھا۔ اسکرین پہ نمبرز چل رہے تھے۔ اوپر نیچے۔ حنین کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ اس نے چہرہ ذرا آگے کیا۔

ایک ہاتھ نے دھپ سے لیپ ٹاپ اسکرین کو کی بورڈ پہ گرا دیا۔ اس نے چونک کر بھائی کو دیکھا۔

''اونو کو دیر نہیں کراتے۔ گناہ ملتا ہے۔'' مگر وہ یونہی سعدی کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن' شک' سب کچھ تھا۔

''بھائی! آپ کیا کر رہے ہیں؟''

مگر زمر ادھر ہی آ رہی تھی۔

''سعدی.... ہاشم!'' کہتے اس نے فون پکڑایا۔ سعدی نے گڑبڑا کر فون تھاما۔ چہرے سے وہ خوشگوار تاثرات غائب ہوئے اور ان کی جگہ سنجیدگی نے لے لی۔

''جی.... اوکے۔'' اس نے فون بند کیا تو حنین تیزی سے بولی۔

''کیا کہہ رہے تھے' مطلب اس دن کے لیے معذرت کر رہے تھے؟''

سعدی لمحے بھر کو رکا۔ ہاشم نے کہا تھا کہ اس کی سیکرٹری صبح کال کر کے اسے ملاقات کا وقت دے دے گی' مگر چونکہ اس کا فی الحال ہاشم سے ملنے کا کوئی ارادہ نہ تھا' اس لیے اس نے ہاں کہہ کر بات ختم کر دی۔

''آپ گیم شروع کریں۔ میں آتی ہوں۔'' وہ وہاں سے نکل آئی۔ اپنے پیچھے اسے سعدی اور زمر باتیں کرتے راہداری میں آگے جاتے محسوس ہوئے' مگر وہ اپنے اور سیم کے مشترکہ کمرے میں آئی (جہاں آج پھپھو اور اسے رہنا تھا) دروازہ بند کیا۔ الماری کھولی۔ کپڑوں کا مائنٹ ایورسٹ آج نہیں گرا کیونکہ صبح امی نے الماری جمائی تھی۔ وہ جوتوں کے خانے پہ جھکی۔ چند ڈبے باہر نکالے۔ پھر ہاتھ ڈال کر کونے میں رکھا ایک ننھا مخملیں ڈبا نکالا۔

سنہری مخمل کا وہ ڈبہ کھولنے سے پہلے اس نے بہت دیر سوچا' اتنی دیر کہ ہاتھ شل ہو گئے۔ اور پھر اس نے کھول ہی دیا۔

اندر سنہرے مخمل پہ ایک سنہری چین والا لاکٹ رکھا تھا۔ مگر کسی سونے چاندی کی جگہ اس زنجیر میں سیاہ ہیرے کی شکل کا اسٹون پرویا تھا جس کے اوپر سنہری حروف میں ''اینٹس ایور آفٹر'' کندہ تھا۔ یہ سعدی کے کی چین کا جڑواں تھا۔

اس نے زنجیر کو ہولے سے چھوا مگر پھر ہاتھ ہٹا لیا' جیسے کرنٹ کے ننگے تار کو چھو لیا ہو۔ سر جھٹک کر ڈبہ بند کیا۔ اسے پھینکنے والے انداز میں نچلے خانے میں ڈالا۔ جوتوں کے ڈبے اندر رکھے اور زور سے الماری بند کی۔ گہری سانس لے کر وہ اٹھی تو اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بھائی کو ہاشم والی بات بتا دے گی۔ آخر ہاشم بھائی ہی تو تھے نا' کوئی غیر تو نہیں تھا۔ بھائی سمجھ جائے گا' اس لیے وہ بتا دے گی۔

مگر کب؟ یہ حنین نے ابھی طے نہیں کیا تھا۔

.....❖❖❖.....

دشت طلب بھی کیا کوئی شہر طلسم ہے

جواہرات کا اندازہ ہمیشہ کی طرح درست تھا۔ نوشیرواں دوستوں کی طرف نہیں گیا تھا۔ وہ اس پُر رونق مارکیٹ میں آ گیا تھا جہاں

رات میں بھی دن کا سماں تھا۔ جو نیو کنٹینرز آج کل لوٹے جا رہے تھے' ان کا سامان یہاں کوڑیوں کے بھاؤ بک رہا تھا۔ پٹھان اور مقامی دکاندار اس بات سے قطعاً بے نیاز کہ وہ جو بیچ رہے ہیں وہ بے حد قیمتی' برانڈڈ اشیاء ہیں' بہت مزے سے بھاؤ تاؤ میں مصروف تھے۔

نوشیرواں نے کار کہیں دور کھڑی کی تھی اور اب وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے فٹ پاتھ پہ چلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ اس کی متلاشی نگاہیں آس پاس چہروں کو کھوج رہی تھیں۔ اسی تلاش میں وہ آگے چلتا گیا۔ کافی دیر بعد ڈرائی فروٹ کی ایک سامنے سے کھلی دکان کے سامنے وہ رکا۔ چند ثانیے پتلیاں سکیڑ کر دکاندار کو دیکھتا رہا جو صافی سے اشیاء جھاڑ رہا تھا۔ اور پھر آگے آیا۔

''جی صاب! تازہ ڈرائی فروٹ ہے....'' دکاندار اس کو دیکھ کر کپڑا رکھتا جلدی جلدی اپنی اشیاء کی خصوصیات گنوانے لگا۔ نوشیرواں نے پہلے دو فقرے تو بیزاری سے سن لیے' پھر بات کاٹ کر بولا۔

''چالیس گرام چاہیے۔''

''بس؟ مگر کون سا....؟''

''تمہیں پتا ہے مجھے کیا چیز چالیس گرام چاہیے۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر درشتی سے بولا تو دکاندار کے الفاظ حلق میں اٹک گئے۔ اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی مگر رنگت متغیر ہوتی گئی۔

''صاب! تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم ایسے کام نہیں کرتا۔''

''میں پولیس والا نہیں ہوں۔ مال دو تو میں جاؤں۔'' وہ بگڑے تاثرات سے بولا۔

''صاب! میں نے بتایا نا' میں....''

''دیکھ بھائی! میری ایک جیب میں پستول ہے اور دوسری میں بٹوہ۔ میں تجھے کون سی جیب دکھاؤں جو تو میری بات سنے گا؟''

کہتے ساتھ اس نے شرٹ کا کنارہ ترچھا کیا اور پہلی جیب میں اڑسا پستول ذرا سا جھلکا۔ دکاندار نے ہاتھ اٹھا کر سراثبات میں ہلایا۔

''گلابی والے قائداعظم چلیں گے۔ اندر آؤ اور بتاؤ کون سا چاہیے۔''

نوشیرواں استہزائیہ مسکرایا اور اس کے پیچھے اندر چلا گیا۔

جس وقت وہ گھر واپس آیا' ہاشم لاؤنج میں نیم دراز تھا۔ یوں کہ پاؤں میز پہ رکھے تھے اور سونیا اس کے سینے پہ سر رکھے ترچھی لیٹی ہاتھ میں آئی پیڈ پکڑے گیم کھیل رہی تھی۔ وہ ایک ہاتھ سے سونیا کے نرم سیاہ بال سہلاتا' دوسرے میں پکڑے مگ سے گھونٹ بھرتے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

''بابا! میرا گیم دیکھیں نا۔'' وہ خفا خفا سی بولی۔ ہاشم نے ایک نظر اسکرین پہ ڈالی۔

''اتنی دیر سے تو ان لمبی ناکوں والے پرندوں کو دیکھ رہا ہوں۔ اب تو مجھے ان کی شکل بھی یاد ہو گئی ہے۔'' مسکراہٹ دبا کر کہتا وہ پھر سے ٹی وی دیکھنے لگا۔

''آپ کو میرا کوئی گیم سمجھ میں نہیں آتا۔'' وہ مسلسل اسکرین پہ انگلیاں چلاتی کہہ رہی تھی۔

''میں اس طرح کے گیم نہیں کھیلا کرتا سونی! اور جو میں کھیلتا ہوں وہ میں ہمیشہ جیتتا ہوں۔''

''شیرو میرے ساتھ سب گیم کھیلتا ہے۔''

''ہاں' شیرو اور تمہاری عمر میں زیادہ فرق ہے بھی نہیں۔'' ہاشم نے ٹی وی کو ہی دیکھتے جھک کر اس کے بال چومے۔

''کیا سونی کو پتا ہے وہ ماما کے ساتھ چھٹیوں پہ نہیں جا رہی؟''

''ہوں!'' وہ گیم میں مصروف تھی۔

''گڈ! میرے دو ایک کام ختم ہو جائیں' پھر بابا اور سونی چھٹیوں پہ جائیں گے۔ ٹھیک؟''

''اور شیرو بھی جائے گا؟ اور ماما بھی؟ اور ممی بھی؟''

''ماما کے علاوہ سب جائیں گے۔ ماما کے ساتھ سونیا سردیوں میں چلی جائے گی۔''

''او کے۔'' اس نے سر ہلا دیا۔ گیم مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ تبھی ہاشم کی نگاہ اندر آتے شیرو پہ پڑی جو نگاہ ملائے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہاشم نے اسے پکارا۔

''ہو سکتا ہے کل سعدی آئے۔ میں چاہوں گا کہ تم میرے ساتھ ہو تب۔''

نوشیرواں پہلے زینے پہ رکا' مڑا نہیں۔ آہستہ سے کہا۔

''او کے۔''

''کیسا ہے سرمد؟ اور اس کے بھائی کے کیس کا کیا بنا؟'' بغور اسے دیکھتے ہوئے مگ سے گھونٹ بھرا۔ اسے بھی جواہرات کی طرح یقین تھا کہ شیرو دوست کے پاس نہیں گیا۔

''پتا نہیں۔ میں نے پوچھا نہیں۔'' وہ نگاہ ملائے بغیر سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ ہاشم نے بھی بحث نہیں کی۔

اندر آ کر اس نے دروازہ لاک کیا اور اسٹڈی ٹیبل تک آیا۔ جیب سے پیکٹ نکال کر میز پہ رکھا۔ اس میں عجیب سے ننھے ننھے ٹکڑے تھے۔ کرسی کھینچ کر بیٹھتے اس نے دراز سے خالی سگریٹ نکالا۔ اس میں پیکٹ میں رکھی منشیات مسل کر بھرنے لگا۔ یہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں ذرا سی لرزش تھی۔ پیشانی پہ پسینہ بھی تھا۔

لائٹر جلا کر سگریٹ کے کنارے کو سلگایا اور دوسرا کنارہ لبوں سے لگایا۔ سانس اندر کھینچی۔ آنکھیں بند کیں۔ کڑوا مادہ اندر اترتا گیا۔ سانس باہر خارج کی تو دھوئیں کے مرغولے ہر طرف بکھر گئے۔ اس کا دماغ ہلکا ہوتا گیا۔ ہر شے سے ہلکا۔ ہوا سے بھی ہلکا۔

.....❖❖❖.....

ناشتے کے بعد تیاری کی افراتفری پورے گھر میں پھیلی تھی۔ سیم بھاگ بھاگ کر اسکول کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ سعدی آفس اور زمر اورٹ کے لیے۔ واپسی پہ اس نے بڑے ابا کو لے کر اپنے گھر جانا تھا' سو وہ سب سے زیادہ سکون سے بیٹھے تھے۔ حنین ان کے قریب بیٹھی اخبار میں سے کچھ سناتی ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کیے جا رہی تھی' جب زمر ادھر آئی۔ حنین کی بولتی زبان ذرا دھیمی ہوئی۔ الرٹ سی ہو کر بیٹھی۔ زمر بھی ماتھ آنکی۔ حنین نے اسے نظر انداز کیا۔

''ماسٹرز کس سبجیکٹ میں کرنے کا ارادہ ہے حنین؟'' جھک کر جوتے کے اسٹریپ بند کرتی وہ ساتھ بیٹھی نرمی سے پوچھنے لگی۔ حنین کے تنے تاثرات قدرے نرم ہوئے۔

''لٹریچر میں یا عربی میں۔ ابھی فیصلہ نہیں کیا۔'' پھر رکی اور اضافہ کیا۔ ''بیچلرز میں بھی لٹریچر رکھا تھا نا۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔ تم اتنی ذہین ہو' کچھ بھی کر لو گی۔'' وہ اب جھکی ہوئی دوسرا جوتا بند کر رہی تھی۔ حنین ذرا سا مسکرائی۔ ساتھ ہی وہ اخبار کے کونے کو عادتاً ناخن کے اندر رگڑ رہی تھی۔

''مگر مجھے یاد ہے تم نے ایف ایس سی میں بورڈ میں پوزیشن لی تھی اور انٹری ٹیسٹ میں بھی بہت اچھے نمبر تھے۔ ٹاپ میرٹ بنتا تھا' اخبار۔ پھر انجینئرنگ میں کیوں نہیں لیا ایڈمیشن؟''

حنین کی مسکراہٹ مدھم ہو گئی۔ اس نے سر اٹھا کر زمر کو دیکھا۔ وہ اسٹریپ بند کر کے اٹھ رہی تھی۔ لوگوں کو پتا بھی نہیں چلتا اور وہ

گردن دبا جاتے ہیں۔

''اچانک سے دل پلٹ گیا تو بی اے میں داخلہ لے لیا۔ دل تو کبھی بھی پلٹ جاتا ہے نا پھپھو!''

اس کا اخبار کا کنارہ رگڑتا ناخن مزید تیز ہو گیا۔ سر جھکا کر وہ بڑے ابا کو کوئی دوسری خبر سنانے لگی۔ البتہ اب کے انداز سست تھا۔

زمر نے جاتے جاتے مڑ کر اسے دیکھا۔ یہ آخری فقرہ کہتے اس کی آواز میں نہ طنز تھا نہ تلخی۔ بس عجیب سی اداسی تھی۔

وہ راہداری سے گزر کر سعدی کے کمرے کے دروازے تک آئی تو وہ آئینے کے سامنے کھڑا نظر آ رہا تھا۔ کالر اکڑے ہوئے اوپر کھڑے تھے اور وہ ٹائی کی گرہ لگا رہا تھا۔ زمر ذرا سا مسکرائی۔ دروازہ ہولے سے بجایا۔

''تو تمہارا کوئی آفس بھی ہے؟''

گرہ کھینچ کر اوپر لے جاتے وہ خفگی سے پلٹا اور کالر درست کیے۔

''دو سال میں پہلی دفعہ چھٹی لی' وہ بھی صرف دو ہفتے کی۔ اور باس سے چپڑاسی تک ہر بندہ گزرتے گزرتے طعنہ دے جاتا ہے۔ آپ تو ایسے مت کریں۔''

''اوہ! اور اتنی لمبی چھٹی کیوں لی؟''

سعدی چپ ہو گیا۔ (جج پہ آخری دنوں میں پریشر ڈالنا تھا' ماموں کو نکلوانا تھا' ہاشم بھائی کا لیپ ٹاپ ہیک کرنا تھا' جس کا موقع آپ کے توسط سے مل ہی گیا اور اب ان فائلز کو کھولنا ہے مگر چھٹی ختم) یہ سب صرف سوچا۔ جب بولا تو محض اتنا۔

''کچھ ریسرچ ورک کر رہا تھا' اسی کو مکمل کرنا تھا۔''

''چلو پھر ویک اینڈ پہ ملنے کا پلان کرتے ہیں۔''

''جی' آپ تو شادی میں نہیں آئیں گی نا؟'' اس نے سرسری سا ذکر چھیڑا۔ وہ جو مڑنے لگی تھی' چونک گئی۔

''کس کی شادی؟''

''اب پورا رشتہ معلوم نہیں۔ مگر جس لڑکے کی شادی ہے وہ ہمارا بھی رشتہ دار ہے اور اس حماد کا بھی۔ حماد اور کرن اس لیے تو آئے ہوئے ہیں آسٹریلیا سے۔ وہ بھی ہوں گے شادی پہ۔ اور کرن کا ردار خاندان کو بالخصوص بلوائے گی۔ وہ سب بھی ہوں گے۔ سو ادھر آپ حماد کا سامنا نہیں کر سکیں گی' مجھے پتا ہے۔ اس لیے آپ کا کارڈ ادھر آیا تو میں نے امی سے کہا کہ پھپھو کو نہ بھیجیں۔ وہ نہیں آئیں گی۔''

زمر کے لب بھنچے اور آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔ سینے پہ بازو لپیٹ کر اسے تندی سے دیکھا۔ ''اور تمہیں کیوں لگا کہ میں اس کا سامنا نہیں کر سکتی؟''

''آپ نہیں کر سکتیں۔ تبھی تو خاندان میں کسی تقریب پہ نہیں جاتیں۔ خیر آپ نے نہیں جانا تو کوئی بات نہیں۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔'' بہت سمجھداری سے اس نے کہا۔

''میں اس لیے نہیں جاتی کیونکہ وقت نہیں ملتا اور....''

''ویک اینڈ پہ وقت ہو گا پھر؟'' وہ تیزی سے بولا۔

زمر نے بے دھیانی سے ''ہاں'' کہا تو اس نے تیزی سے پوچھا۔ ''مطلب آپ چلیں گی؟''

''میں.... دیکھوں گی۔'' وہ رک کر بولی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ اسے اب چلنا تھا۔ وہ نکلی تو سعدی مکمل تیار ہو کر نکھرا نکھرا سا باہر نکلا۔ لاؤنج میں بس بڑے ابا تھے۔ حنین سونے چلی گئی تھی۔ انہوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''وہ تقریب پہ جانے کے لیے مان گئی؟''

''بالکل!'' مسکرا کر کہتے اس نے چائے کا کپ اٹھایا اور سامنے بیٹھا۔ بڑے ابا نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''تم نے کیسے راضی کیا اسے؟ میں کہتا تو کبھی نہ مانتی۔''

''اب آپ کے پاس سعدی یوسف جیسا دماغ تھوڑی ہے۔'' گھونٹ بھرتے وہ مسکرایا۔ پھر کچن کی طرف رخ کر کے آواز لگائی۔

''امی! آپ ناشتہ لاہور سے لا رہی ہیں یا کچن سے؟''

''کچن سے میں نے جوتا پھینکنا ہے تمہارے قد کا لحاظ کیے بغیر۔'' وہ ٹرے اٹھائے مصنوعی خفگی سے بولتی آ رہی تھیں۔ سعدی نے اس سے دادا کو دیکھا۔

''کوئی مانے گا کہ یہ خاتون میرے پیچھے میرے بہن بھائی کو میری مثالیں دیتی ہیں؟''

''مجھے پتا ہے اچھے سے۔ جلدی جلدی کا شور اس لیے مچاتے ہو کہ ناشتہ آدھا کرنا پڑے۔ اب اگر تم نے یہ ختم نہ کیا نا سعدی، تو مجھے امی نہ کہنا۔'' وہ سامنے بیٹھتے ہوئے اس کی شکایت دادا سے لگا رہی تھیں۔ وہ مسکراتے ہوئے بس سن رہے تھے۔

سعدی نے حسب عادت بس تھوڑا سا کھایا۔ پھر ہاتھ صاف کرتا اٹھا اور بہت متانت سے ماں کو مخاطب کیا۔

''اچھا ندرت بہن! اللہ حافظ۔'' اور اس سے پہلے کہ وہ واقعی اس کے قد کا لحاظ کیے بغیر ایک ہاتھ جڑ دیتیں، وہ باہر نکل چکا تھا۔

.....❖❖❖.....

سارہ آفس کے لیے تیار، کار کا دروازہ کھول رہی تھی جب گیٹ کی گھنٹی بجی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ گیٹ اونچا تھا۔ یہاں سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ باہر کون ہے۔ وہ چابی دروازے میں چھوڑ کر بیگ کار کی چھت پہ رکھ کر گیٹ تک آئی اور اسے کھولا۔ آدھا دروازہ کھلتے ہی ہاتھ ٹھٹک کر رکے۔

باہر فارس کھڑا تھا۔ ٹی شرٹ، جینز، چھوٹے کٹے بال، سنجیدہ گہری نظریں اور سپاٹ چہرہ۔ سارہ نے باقی دروازہ سست روی سے کھولا۔

''فارس؟'' کوئی نادیدہ لٹ کان کے پیچھے اڑستی وہ ایک طرف ہٹی۔ چہرے پہ تذبذب سا در آیا تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' سرسری سا سوال کیا۔ البتہ اس کو دیکھ گہری نظر سے رہا تھا۔ وہ ''ہوں'' میں سر ذرا سا ہلا کر مزید ایک جانب ہوئی۔

''میرا اتنی صبح آنا اچھا نہیں لگا یا آنا ہی؟'' اس کی ہچکچاہٹ کے باعث وہ ذرا سرد سا بولا۔ سارہ کے چہرے پہ شرمندگی ابھری۔

''ایسا نہیں ہے۔ آؤ۔''

''بچیوں سے ملنے آیا تھا میں۔'' وہ وہیں کھڑا رہا۔ سارہ بھی ادھر ہی کھڑی رہی مگر اس سے نگاہ نہیں ملائی۔

''وہ اسکول کے لیے تیار ہو رہی ہیں۔ بس ہم نکلنے ہی والے تھے۔'' ساتھ ہی اس نے گھڑی دیکھی جیسے جلدی میں ہو۔

''یعنی کسی اور وقت آؤں؟'' اس کے چہرے کے بدلتے رنگ بغور دیکھتے وہ خشک انداز میں کہہ رہا تھا۔ سارہ نے اضطراب سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تم آ سکتے ہو فارس۔''

''مگر.... زیادہ نہیں، ہوں؟'' وہ اس کے تاثرات پڑھ رہا تھا۔ ''تو آپ کے خیال میں وارث کو میں نے قتل کیا تھا؟''

''ایسا نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے تمہیں پھنسایا گیا تھا۔ یقیناً تمہارے دشمن بہت ہوں گے اور....''

''اور میرا ادھر آنا آپ کے خاندان کے لیے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ میں سمجھ گیا۔ آئندہ دور رہوں گا۔'' سر ہلا کر وہ یوں کہہ رہا

تھا جیسے واقعی سمجھ گیا ہو۔ سارہ نے دکھ سے اسے دیکھا۔

''فارس! آئی ایم سوری۔ مگر میں پہلے ہی بہت مشکل زندگی گزار رہی ہوں۔ میرے پاس میری بیٹیوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ میں ان کو کسی بھی خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ تم پلیز مجھے غلط مت لینا۔''

''کہا نا سمجھ گیا۔ اب مل لوں یا جاؤں؟''

''نہیں۔ آؤ پلیز۔'' وہ اب کے واقعی پیچھے ہٹی اور اندر کی طرف بڑھی۔ وہ چند لمحے ضبط سے اسے آگے جاتے دیکھتا رہا' پھر سر جھٹک کر پیچھے ہولیا۔

فارس سین

❖❖❖

ہر حقیقت فریب لگتی ہے ..... جب کوئی اعتبار کھو بیٹھے

اسٹڈی روم میں خاموشی پھیلی تھی۔ نوشیرواں بھی اسی خاموشی کا حصہ بنا لبوں پہ مٹھی رکھے میز کے اس طرف بیٹھے ہاشم کو دیکھ رہا تھا جو بہت انہماک سے فائل کے صفحے کو پڑھ رہا تھا۔ اسے آج آفس دیر سے جانا تھا۔ اس لیے وہ رات والے لباس میں تھا۔

''تیسری دفعہ پوچھ رہا ہوں سعدی کب آئے گا؟'' وہ اب بیزار ہونے لگا تو مقدس خاموشی کو توڑا۔

''ہوں!'' ہاشم نے صفحہ پلٹا۔ پھر نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کیا اس کے انتظار میں تم تمام رات نہیں سوئے؟''

اس نے شیرو کی ہلکی گلابی آنکھوں کو دیکھ کر کہا تھا۔ شیرو کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ رنگت ذرا پھیکی ہوئی۔

''سویا تھا' مگر بہت دیر سے۔'' اس نے گڑبڑا کر کہا۔ پھر بغور ہاشم کے تاثرات دیکھے۔ وہ پھر سے فائل میں مصروف ہو گیا تھا۔ لاکھ شاطر سہی' اتنی جلدی ہاشم کو شک نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ پھر سے ڈرگز پہ آ گیا ہے۔

موبائل بجا۔ ہاشم نے انگلی سے بٹن دبایا اور بولو کہتے ہوئے فائل کا دوسرا صفحہ پلٹا۔ اس کے پاس اتنی فرصت بھی نہ تھی کہ موبائل کان سے لگاتا۔ اس کی سیکرٹری کی آواز گونجی۔

''سر! میں نے سعدی یوسف کو کال کی تھی۔'' وہ رک گئی۔ ہاشم نے پین سے اس صفحے میں کچھ انڈر لائن کیا۔

''حلیمہ! میں اگلے کتنے منٹ تمہارے بولنے کا انتظار کروں گا؟''

''سوری سر! انہوں نے کہا کہ وہ مصروف ہیں۔ ان کو اپنا شیڈول دیکھنا پڑے گا۔ آج تو ناممکن ہے۔ اگلے ہفتے میں ان کو دوبارہ کال کر کے پوچھوں' اگر.....'' وہ رکی مگر پھر جلدی سے بولی۔ ''اگر ہاشم بھائی کو مجھ سے ملنے کا اتنا ہی شوق ہے تو۔''

''اوکے۔'' ہاشم نے بٹن آف کیا اور صفحے پہ دو الفاظ کے گرد دائرہ لگایا۔ وکالت سارا الفاظ کا کھیل ہی تھا۔

شیرو کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

''ایٹی ٹیوڈ دیکھا آپ نے اس کا؟ بدتمیز انسان.... خود کو سمجھتا کیا ہے؟''

ہاشم نے تھکاوٹ سے سر نفی میں ہلا کر شیرو کو دیکھا۔ ''تم کب بین السطور باتیں پڑھنا سیکھو گے نوشیرواں؟''

وہ جو پھرا ہوا آگے ہو کر بیٹھا' کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا' حیرت سے رکا۔

''اس کی اس بات کا اور کیا مطلب؟''

''کیا تم سعدی کو نہیں جانتے؟ وہ بدتمیزی نہیں کر رہا' وہ مجھ سے ملاقات کو ٹال رہا ہے۔

''مگر....وہ کیوں ٹالے گا؟''

''جب اس کو کوئی مدفن ثبوت ملے گا تو وہ سب سے پہلے میرے پاس آئے گا۔ صاف بات ہے اس سے میری فائلز نہیں کھلیں۔ بغیر ثبوت کے وہ میرا سامنا نہیں کرنا چاہے گا اور فائلز کو کھولنے کے لیے اسے وقت چاہیے۔''

''اور اگر اس نے فائلز کھول لیں؟''

''نہیں کھلیں گی۔'' ہاشم نے اطمینان سے کہتے ہوئے وہ فائل اسٹینڈ پہ رکھے پلندے پہ ڈالی اور لیپ ٹاپ اپنے قریب کیا۔

''سعدی کبھی بھی کمپیوٹرز کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔ میرے کمپیوٹر کی ہارڈ ڈرائیو کو وہ اپنی کسی ڈیوائس سے Remotely (access) ریموٹلی ایکسس تو کر سکتا ہے' مگر فائلز پہ لگے تالے کھولنے کے لیے وہ ایسے پروگرامز استعمال کرے گا جو تالا توڑ نہیں سکتے' مگر اس میں باری باری ہزاروں چابیاں لگا کر دیکھتے ہیں کہ شاید کوئی چابی لگ جائے۔ اور جب آدھے سفر میں بھی تالا نہیں کھلتا تو فرسٹریشن کا شکار شخص زور زور سے چابی گھماتا ہے اور اس کے بعد پتا ہے کیا ہوتا ہے شیرو؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''غلط چابی تالے میں ٹوٹ جاتی ہے۔ اور ٹوٹی چابی والا لاک پھر صحیح چابی سے کھلنے کے قابل بھی نہیں رہتا۔ اور اگر تمہاری گلستان سعدی ختم ہو چکی ہے تو میں کام کر لوں؟''

شیرو ماتھے پہ بل لیے اٹھا۔ میز پہ دھرا اپنا موبائل بھی اٹھایا۔ ادھر اس نے اپنے موبائل کو دیکھا' ادھر ہاشم نے اس کی نگاہوں کو۔

پھر ہاشم نے سنجیدگی سے ہاتھ بڑھایا۔ ''فون دو۔''

شیرو نے ناسمجھی سے فون اسے پکڑایا۔ ہاشم نے اسکرین کو چند دفعہ دبایا۔ ''یہ سعدی کا نمبر ہے۔'' اسکرین شیرو کو دکھائی اور فون پھر اپنے سامنے کر لیا۔ ''اور یہ ہو گیا سعدی کا نمبر ڈیلیٹ۔'' دوبارہ اسکرین لہرائی۔ نو شیرو اں کا منہ کھل گیا۔

''بھائی....مگر۔''

''تم میری اسٹڈی سے نکل کر اسے کال کرنے اور اس پہ غصہ کرنے کا سوچ رہے تھے نا' بالکل بھی انکار مت کرنا۔ اور مجھے معلوم ہے تم اس کا نمبر کہیں سے دوبارہ بھی لے سکتے ہو۔ مگر میں تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اگر تم نے سعدی کو چھیڑ کر میرے لیے کوئی مصیبت کھڑی کی تو میں تمہارے ساتھ کتنی سختی سے پیش آ سکتا ہوں۔'' اس کا فون اپنی دراز میں ڈالتے ہوئے وہ قطعیت سے کہہ رہا تھا۔ شیرو نے خفگی سے اسے دیکھا۔ پھر او کے کہہ کر مڑ گیا۔

''اور ناشتے کے لیے جاتے ہوئے فیونا سے کہہ دینا کہ آج کے سارے کھانے تمہیں تمہارے کمرے میں پہنچائے۔ کیونکہ آج کے دن تم گھر سے باہر نہیں نکلو گے۔'' وہ کوئی دوسری کتاب کھولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ شیرو ہکا بکا سا پلٹا۔

''میں پچیس سال کا ہوں بھائی!'' اس نے احتجاجاً دبا دبا سا کہا۔

''اور میں سینتیس کا۔ کیا مجھے دوبارہ دہرانے کی ضرورت ہے کہ تم آج کے لیے (grounded) گراؤنڈڈ ہو؟'' ابرو اٹھا کر ایک سخت نگاہ اس پہ ڈالتے ہاشم نے پوچھا۔ شیرو کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

''سوری بھائی! میں اسے اپروچ نہیں کروں گا۔''

اور میں اس بات پہ کل صبح یقین کروں گا۔ فیونا سے کہو میرا ناشتہ یہیں پہنچا دے۔ میں آفس دیر سے جاؤں گا۔''

شیرو نے منہ بنا کر دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ اس کے نکلتے ہی ہاشم نے بند دروازے کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرا کر سر جھٹکا۔

''یہ کب بڑا ہو گا؟''

واپس کتاب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے وہ لمحے بھر کو رکا۔ چہرہ اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسٹڈی کے ریکس' کتابیں' لیمپس۔ ایک عجیب سے نوسٹیلجیا نے ہاشم کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ کتاب پرے کر کے اس نے پیچھے ٹیک لگائی اور قلم ہاتھوں میں گھماتے ان در و دیوار کو

دیکھنے لگا۔اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔

پھر اس نے اپنا موبائل نکالا اور جیسے ریت میں دبا کوئی گم گشتہ صندوق ڈھونڈ رہا ہو' سعدی کا نمبر تلاش کیا۔فون کان سے لگا کر وہ گھنٹی جاتے سنتا رہا۔

''جی ہاشم بھائی!'' وہ آج بھی اس کی کال ریجیکٹ نہیں کر سکتا تھا۔ہاشم کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔

''تم نے آنے سے انکار کیوں کر دیا؟'' وہ دوستانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہا۔'' آج آفس دوبارہ اسٹارٹ کیا ہے' تو ابھی نکلنا مشکل ہوگا۔''

''تم چاہو تو میں تمہارے آفس آجاتا ہوں۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں ہاشم بھائی؟''

''کیونکہ مجھے لگتا ہے تم بدل گئے ہو۔''

''وقت بدل گیا ہے۔'' وہ محتاط سا بول رہا تھا۔ہاشم نے دو انگلیوں سے آنکھیں مسلیں۔ناک کی ہڈی کو چٹکی میں لیا۔پھر گہری سانس لی۔

''وقت بھی وہی ہے' میں بھی وہی ہوں اور تم بھی....شاید ہمارے درمیان کوئی غلط فہمی آ گئی ہے۔میں وہ دور کرنا چاہتا ہوں۔''

''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔'' اسے تو یقین تھا۔ہاشم خاموش ہو گیا۔چند لمحے اسٹڈی کی خاموشی ان دونوں کو بولنے پہ مجبور کرتی رہی' مگر دونوں چپ رہے۔

''سعدی! کیا ہم واپس جا سکتے ہیں؟ اچھے وقتوں میں واپس؟ جب ہمارے درمیان یہ ذو معنی باتیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔تم رات کے ایک بجے بھی میری ایک کال پہ چلے آتے تھے۔جب تم مجھے ہاشم بھائی کہا کرتے تھے تو دل سے کہتے تھے۔کیا کوئی راستہ بچا ہے سعدی؟''

''شاید نہیں۔''

ہاشم نے موبائل بند کر کے میز پہ ڈال دیا۔اسٹڈی کے در و دیوار پھر سے بولنے لگے۔اس کی سماعتوں میں اچھے وقتوں کی بازگشت سنائی دینے لگی۔بمشکل ان سب کو ذہن سے جھٹکتا ہاشم سیدھا ہوا اور کتاب پھر سے کھول لی۔

دوسری طرف اپنے آفس میں لیپ ٹاپ کے سامنے سوچ میں گم بیٹھا سعدی ابھی تک موبائل کو تک رہا تھا۔پھر وہ بھی ہر چیز کو ذہن سے جھٹکتا سیدھا ہوا اور لیپ ٹاپ قریب کیا۔گردن اونچی کر کے آگے پیچھے کا جائزہ بھی لے لیا اور پھر اپنا پروگرام دیکھا جو ابھی تک چل رہا تھا۔ناکامی در ناکامی۔اسے شدید فرسٹریشن ہوئی۔مضطرب سے انداز میں چند ایک کیز دبائیں۔پروگرام سے ایک ساتھ دو تین کام کروانے کی کوشش کی اور....اور....اسکرین پہ جلتا بجھتا نشان جگمگانے لگا۔اس نے دوبارہ چھیڑ چھاڑ کی اور.... پروگرام کرپٹ ہو گیا۔

پارٹی کی ساری محنت ضائع چلی گئی۔چابی لاک میں ٹوٹ گئی تھی۔سب برباد ہو گیا۔

فائلز ڈیلیٹ ہو چکی تھیں اور اب کوئی بھی چیز ان کو ری کور نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔وہ واقعی کمپیوٹرز کے ساتھ اچھا نہ تھا۔اور وہ بغیر ثبوت کے کسی سے مدد بھی نہیں مانگ سکتا تھا۔

اب وہ کیا کرے؟ اس نے سر اٹھا کر اپنے آفس کو اجنبی نظروں سے پھیکی پڑتی رنگت کے ساتھ دیکھا۔دوبارہ سے ہاشم کا کمپیوٹر....؟ ناممکن۔اب تو ہاشم اس کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دے۔

''اور ایک وقت تھا جب.....'' اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔اچھے وقتوں کی ساری کہانیاں فضا میں آج بھی ان مٹ روشنائی سے لکھی تھیں۔

.....❖❖❖.....

سات سال پہلے

عشرت رفتہ کو آواز دیا کرتی ہیں ..... ہر نئے لمحے کی دہلیز پہ جا کر یادیں

کانٹریکٹ لاء کی کلاس میں مخصوص خاموشی تھی۔ باہر اترتی شام کی سرسراہٹوں میں اندر کاغذ پہ قلم گھسیٹنے کی آواز مدغم ہو رہی تھی۔ تمام طلبا غور سے سنتے یا سننے کی اداکاری کرتے لیکچرر کی جانب متوجہ تھے جو لیکچر کا اختتام کرتے ہوئے حسب عادت کہہ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے میری اتنی لمبی تقریر آپ میں سے بہت سوں کی سمجھ میں آ گئی ہوگی۔ اور اگر میرا خیال درست ہے تو چند ایک کی سمجھ میں نہیں بھی آئی ہوگی۔ اس لیے وہ چند ایک ابھی یا امتحانات سے قبل میرے پاس فارغ وقت میں آ کر اپنی کنفیوژن کلیئر کر لیں۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اپنے رزلٹ کی خرابی کی تمام تر ذمہ داری صرف آپ کے کندھوں پہ ہوگی۔ رائٹ؟''

نرمی سے مسکرا کر کہتی زمر یوسف کی آنکھیں پوری کلاس پہ مرکوز تھیں۔ اور اس نرمی میں بھی رعب پنہاں تھا۔ آدھے کیچر میں بندھے گھنگھریالے بال' شفاف جلد' ناک میں سونے کی بالی کی طرح نتھ اور ہاں' ابھی آنکھوں کے گرد ایک دو جھریاں بھی نہیں پڑی تھیں۔

چند ایک طلبہ و طالبات نے ہاتھ بلند کیے۔ کنفیوژن کلیئر کی۔ وہ تحمل سے جواب دیتی رہی اور ایسا کرتے ہوئے اس کی نگاہ ہال کے ایک ایک چہرے سے گزرتی اس اجنبی شناسا کے چہرے پہ ٹھہر سی گئی۔ لبوں پہ مبہم سی مسکراہٹ والا وہ شخص اس ایوننگ کلاس میں چار روز سے آ رہا تھا اور ہر دفعہ اسے دیکھ کر لاشعور میں کوئی احساس جاگزیں ہوتا' جیسے وہ اسے کہیں دیکھ چکی ہے۔ مگر وہ شعور اس چہرے کو کسی نام کے ساتھ فٹ نہیں کر پا رہا تھا' سو وہ نظر انداز کر کے کلاس برخاست کرنے لگی۔ اسٹوڈنٹس یکے بعد دیگرے اٹھ کر جانے لگے۔ زمر نے میز سے اپنی چیزیں سمیٹیں۔ ان کو ترتیب سے بیگ کے مختلف خانوں میں رکھا۔ نفاست سے فائل اور کتابیں جوڑیں۔ بیگ کندھے سے لٹکایا اور سر اٹھایا تو وہ شخص سامنے کھڑا تھا۔

''کہیے میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟'' وہ سر جھکا کر بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بولی۔ میز کی چمکتی سطح میں اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ لمبا چوڑا' کافی اسمارٹ' اٹھائیس انتیس سال کے لگ بھگ' ہلکی آنکھوں اور چھوٹے کٹے بالوں والا وہ شخص....

''میں کر دوں آپ کی مدد؟'' اس نے نرمی سے کہا مگر لاپروائی کا عنصر غالب تھا۔ زمر نے بے اختیار سر اٹھا کر دیکھا۔

''سوری؟''

''میں مائیگریٹ ہو کر ادھر آیا ہوں۔'' انگلی سے کان کی لو مسلتا وہ ادھر اُدھر دیکھتا کہہ رہا تھا۔ اس کا انداز غصہ نہیں دلاتا تھا۔ ورنہ کوئی ایسے بات کرتا تو شاید اس کے سر پہ لگ جاتی۔

''تو؟''

''تو چار دن سے آپ مجھے دیکھ کر ذرا...'' (ہاتھ سے اشارہ کیا) ''ذرا کنفیوزڈ ہیں۔ یونو deja vu فیلنگ۔''

زمر نے بمشکل تعجب چھپایا۔ ''آئی ایم سوری' مجھے یاد نہیں اگر ہم پہلے مل چکے ہیں۔ ابھی تک میرے رجسٹر میں آپ کا نام بھی نہیں ہے۔''

''شاید کئی سال پہلے' اب تو یاد بھی نہیں....'' پھر ذرا سے شانے اچکائے۔ زمر بھنویں سکوڑے اس کو دیکھتی رہی تو وہ ذرا سا مسکرایا۔

''میں فارس غازی ہوں۔ سعدی کا ماموں!''

زمر کے بھنچے ابرو ڈھیلے پڑے۔ لب ''اوہ'' میں سکڑے۔ چہرے پہ پہلے حیرت اور پھر شرمندگی ابھری۔ ''اوہ.... آئی ایم سوری.... میں نے واقعی نہیں پہچانا۔ میں شاید آپ سے ملی بھی نہیں کبھی۔ مگر آپ کو کیسے پتا میں سعدی کی....؟''

''سمپل!'' اس نے کندھے جھٹکے۔ ''سعدی نے بتایا تھا کہ آپ شام میں ادھر پڑھاتی ہیں اور صبح سعود رانا کے چیمبر میں ہوتی ہیں۔''

''اوہ....مگر اس نے مجھے نہیں بتایا۔ میرا مطلب ہے آپ سعدی کے وہی ماموں ہیں نا جو....'' وہ گڑبڑا کر رکی۔

''جی وہی جو سوتیلا ہے۔'' وہ پھر ذرا سا مسکرایا۔ زمر کے رخسار گلابی ہوئے۔

''نہیں' میرا مطلب تھا وہ جو آئی بی (انٹیلی جنس) میں ہوتے ہیں اور کہیں سندھ وغیرہ میں پوسٹڈ تھے۔ کیونکہ سعدی کے نیب والے ماموں سے تو اکثر ملاقات ہو جاتی ہے۔''

''جی میں کئی سال سے ادھر تھا۔ اسی ہفتے آیا ہوں۔''

کلاس قریباً خالی ہو چکی تھی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ باہر نکلے۔ راہداری میں ایک ستون کے ساتھ کھڑے ہو کر زمر نے اس کی طرف رخ کرتے پوچھا۔

''تو آپ میری کلاس میں کیسے؟ ڈونٹ ٹیل می ہماری کلاس میں آپ کسی کی جاسوسی واسوسی کرنے آئے ہیں۔''

اس بات پہ فارس ہنس پڑا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔

''میں جاسوس نہیں ہوں۔ جاسوسوں کا ڈپارٹمنٹ الگ ہوتا ہے۔ میں یوں ہوں جیسے پولیس آفیسرز ہوتے ہیں۔ ہم مختلف کیسز پہ کام کرتے ہیں۔ ہاں ادھر پڑھنے آیا ہوں میں۔'' وہ گردن ذرا جھکا کر عادتاً ناخن سے کان رگڑتا کہہ رہا تھا۔ ساتھ میں شاید وہ چیونگم بھی چبا رہا تھا۔

''تو کیا نوکری چھوڑ دی؟''

''نوکری کے لیے تو پڑھ رہا ہوں۔ پہلے زیادہ پڑھ وڑھ نہیں سکا تھا۔ چھوٹی پوسٹ پہ بھرتی ہوا تھا۔ اب ترقی تو ملتی رہی ہے مگر لاء کی ڈگری ہمارے لیے بہت اچھی ہوتی ہے۔ ترقی کے چانسز بڑھتے ہیں۔'' پھر رک کر زمر کا چہرہ جیسے جانچا۔ ''کیا آپ کے والد نے نہیں بتایا کہ کس طرح وہ نوکری اور نوکری سے پہلے میری مدد کرتے رہے تھے؟''

''آ....نہیں بالکل نہیں۔ میرے اردگرد کے لوگوں کو خاموش تحفوں کی عادت ہے شاید۔'' زمر نے مسکرا کر گہری سانس لی۔

''برے وقتوں میں انہوں نے قرض دیا مجھے' احسان تھا ان کا۔''

''ان فیکٹ مجھے یاد آ رہا ہے۔ سعدی کے سوتیلے' سوری چھوٹے ماموں' آپ کی امی تو کافی ویل آف سی تھیں۔ مجھے باقی آپ کا فیملی ٹری بالکل یاد نہیں۔ یہ بھی ندرت بھابی نے شاید کبھی ذکر کیا تھا۔''

''جی! اورنگزیب کا ردار.... میرے ماموں۔ وہ ویل آف ہیں' میری امی نہیں۔ کچھ نہیں چھوڑا میرے لیے سوائے نصیحتوں کے۔''

پھر سے بے نیازی سے شانے اچکا کر ہنسا۔ زمر بھی ساتھ ہی ہنس دی۔ پھر اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''او کے فارس! اچھا لگا آپ سے مل کر۔ آپ کو پڑھائی یا یونیورسٹی میں کسی بھی قسم کی مدد چاہیے ہو تو آپ مجھے ہمیشہ اپروچ کر سکتے ہیں۔ اب تو ملاقات ہوتی رہے گی۔'' وہ اب رخصت چاہ رہی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ پلٹتی' فارس نے عجلت میں پکارا۔

''کیا آپ ہاشم کی شادی میں آئیں گی؟'' زمر جاتے جاتے واپس ہوئی۔ ناسمجھی سے ابرو اٹھائے۔ ''سوری' کون ہاشم؟''

''اوہ کیا ندرت آپا نے نہیں بتایا؟ میرا کزن ہاشم۔ اس کی اگلے ہفتے شادی ہے۔ انہوں نے سعدی لوگوں کی پوری فیملی کو بلایا ہے' آپ سمیت۔''

زمر نے چند لمحے سوچا' پھر کندھے اچکا دیے۔ ''میں بالکل بھی نہیں جانتی آپ کے کزن کو۔ لیکن اگر وہ بلائیں گے تو دیکھیں گے۔''

فارس نے سر ہلا کر گویا جانے کی اجازت دے دی۔ وہ ایک الوداعی مسکراہٹ کے ساتھ مڑ گئی۔

فارس وہاں کھڑا تب تک اسے دیکھتا رہا جب تک وہ راہداری کے دوسرے سرے پہ گم نہ ہو گئی۔ پھر ایک دم چونکا اور خفیف سا ہو

کر سر جھٹکا۔

''وہ خوبصورت تو نہیں تھی پھر بھی اچھی کیوں لگ رہی تھی؟ سعدی کی پھپھو تھی' اس لیے شاید۔'' وہ خود کو مطمئن کر کے غیر مطمئن کرتا وہاں سے پلٹ گیا۔

.....❖❖❖.....

خدا ہے محبت' محبت خدا ہے

مرحوم ذوالفقار یوسف کے گھر میں باتوں کا شور' ٹی وی کی آواز اور رات کے کھانے کی مہک ہر سو پھیلی تھی۔ لاؤنج کے تھری سیٹر صوفے کے ایک کنارے پہ بیٹھی زمر دوسرے سرے پہ موجود ندرت سے کہہ رہی تھی۔

''آپ مجھے بتا ہی دیتیں کہ آپ کا بھائی آ رہا ہے۔ میں مائیگریشن اور دوسرے کاغذی معاملات میں اس کی مدد ہی کر دیتی۔ بہت مشکل ہوئی ہوگی اسے تو۔''

''بس اس کی اچانک پوسٹنگ ہوئی۔ ادھر آیا اور گھر کھولا۔ وہیں اپنے اورنگزیب ماموں کی انیکسی میں رہتا ہے۔ وہ اس کی ماں کے جیسے میں تھی نا۔''

''آپ ذکر ہی کر دیتیں۔ اور تم تو ادھر آؤ ذرا۔ میرا سارا بائیوڈیٹا اپنے ماموں کو دے دیا اور مجھے آگاہ بھی نہیں کیا۔ کتنی شرمندگی ہوتی مجھے اگر میں اس کو ڈانٹ دیتی۔'' کمرے سے نکلتے سعدی کو خفگی سے پکارا۔ وہ سیب کھا رہا تھا۔ کھاتے کھاتے کندھے ذرا سے اچکائے اور مسکراتا ہوا سامنے کشن پہ آ بیٹھا۔

''سوری' میں بھول گیا۔''

''اور ہاں' اس نے کسی کزن کی شادی کا بھی ذکر کیا تھا۔'' زمر نے یاد کرتے ہوئے ندرت کو دیکھا۔ انہوں نے سر ہلایا۔ ''ہاں ہاشم کی شادی ہے اگلے ہفتے۔''

''کون ہاشم؟'' سعدی نے سیب پہ دانت گاڑتے رک کر پوچھا۔

''فارس کے ماموں کا بڑا بیٹا ہے۔ تم لوگ نہیں جانتے۔ میں نے بھی عرصہ پہلے دیکھا تھا۔ اصل میں زمر' فارس ادھر ہوتا جو نہیں تھا۔ تو اس سے جڑے بہت سے لوگوں سے بچوں کا تعارف نہیں ہے۔ خیر اب تو وہ آ گیا ہے تو اس کی وجہ سے وہ ہمیں بھی بلائیں گے۔''

ندرت بات کرتے ہوئے مسلسل چھ سالہ سیم کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر اس کو میز کی چیزیں اٹھانے سے روک رہی تھیں۔ اور وہ عادتاً ہر شے اٹھا کر پھینکنا چاہتا تھا۔

''اس پہ نظر رکھو' میں ذرا روٹی اتار لوں۔ کھانا کھا کر جانا زمر!'' سعدی اور اسے ایک ساتھ مخاطب کرتے وہ اٹھیں تو زمر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''اوہو۔ امی منتظر ہوں گی۔ دیر ہو جائے گی۔ ویسے پکا کیا ہے؟''

''مٹر قیمہ۔'' ندرت بھی مسکرائیں اور سعدی بھی۔

''اب پڑ گئیں نا پھپھو سوچ میں۔''

''سوچنے والی بات ہی نہیں ہے۔ مجھے جلدی جانا ہے تو یہاں کھا نہیں سکتی' مگر پیک تو کروا سکتی ہوں۔''

ندرت مسکراتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئیں تو وہ سعدی کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''اسکالرشپ کے لیے ناموں کا اعلان ہو گیا؟''

''اونہوں۔ مگر اسی ہفتے ہونا ہے۔'' پھر وہ ذرا مایوس ہوا۔ ''مجھے نہیں لگتا مجھے اسکالرشپ ملے گا۔ میں تو نارمل سا اسٹوڈنٹ ہوں۔ مجھ

سے بہتر امیدوار ہوں گے وہاں۔''

''مگر مجھے یقین ہے کہ تمہیں اسکالرشپ مل جائے گا۔''

سعدی کا چہرہ امید سے چمکا۔''اچھا' آپ کو کیسے یقین ہے؟''

''یہ یقین ہے' ریاضی کا سوال نہیں جو اس کی کوئی لاجک بھی ہو۔بس ہے تو ہے۔''اس نے ذرا سے کندھے اچکائے۔

''چلیں سب نام لکھوائیں۔ہم پارٹی کر رہے ہیں۔''

اندر سے تیرہ سالہ حنین بولتی ہوئی آئی۔اس کے ماتھے پہ کٹے ہوئے بال گرے تھے' ناک پہ چشمہ تھا اور لبوں پہ شرمگیں مسکراہٹ جو صرف زمر کو دیکھ کر آتی تھی۔زمر بھی اسے دیکھ کر مسکرائی۔حنین نے ایک فہرست سامنے رکھی اور ہاتھ میں پین پکڑے بہت سمجھداری سے اعلان کیا۔

''سوموار کی شام ہم پارٹی کریں گے۔میں دہی بھلے لاؤں گی اور سیم! تم برگرز لاؤ گے۔''تحکم سے سیم سے کہا۔وہ جلدی جلدی سر اثبات میں ہلانے لگا۔(سیم کی چیز ہمیشہ امی لاتی تھیں)

''اور پھپھو آپ؟''زمر کو دیکھ کر پوچھتے اس کی آنکھوں میں وہی شرمگیں مسکان پھر سے جھلملانے لگی۔

''میں لزانیہ لاؤں گی۔''

''اور امی آپ؟''حنین نے زور سے آواز دی۔کچن سے آواز واپس آئی۔''میں فروٹ چاٹ لاؤں گی۔''

اب سب نے سوالیہ نظروں سے سعدی کو دیکھا تو وہ ایک گال کھجاتا ہوا بولا۔''میں برتن لاؤں گا۔''

حنین نے بھنویں ناراضی سے بھینچیں۔فوراً پھپھو کو پکارا۔''پھپھو! بھائی کو کہیں کہ یہ سموسے لائیں گے۔''

''اتنا کچھ تو ہے۔پہلے تم وہ تو کھاؤ کٹو۔''

''کوئی بہانہ نہیں سعدی' تم سموسے لاؤ گے۔''زمر نے مسکراہٹ دبا کر اسے تنبیہہ کی۔وہ منہ میں کچھ بڑبڑا کر سر جھٹک کر رہ گیا۔

حنین کے ناراض تاثرات نارمل ہوئے۔اس نے بڑے جوش سے سعدی کا نام لسٹ میں لکھ لیا۔پھر باری باری سب سے سائن کروائے۔تب ہی امی نے پکارا تو وہ پھپھو کا باکس لینے کچن میں بھاگی۔زمر نے پانی مانگا تو سعدی بھی پیچھے ہی گیا۔

زمر نے پرس سے سن گلاسز نکالے اور آہستہ سے صوفے کے نیچے کارپٹ پہ رکھ دیے۔پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

ندرت ڈبا لے آئیں تو وہ سب اسے چھوڑنے دروازے تک آئے۔حنین فوراً واپس آ کر لاؤنج کی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھنے لگی۔

زمر اور سعدی کار کے پاس کھڑے تھے۔زمر اندر بیٹھنے لگی' پھر کسی احساس کے تحت بیگ کھولا۔ادھر ادھر دیکھا۔

حنین چونکی' پھر فوراً صوفے تک آئی۔چیزیں ادھر ادھر کیں' اوپر نیچے دیکھا۔گلاسز نیچے گرے پڑے تھے۔

''اوہ پھپھو پھر کچھ بھول گئیں۔''فاتحانہ خوشی سے کہتی وہ عینک اٹھا کر دروازے کی طرف بھاگی۔زمر واپس آ رہی تھی۔ادھر اس نے دروازہ کھولا' ادھر حنین نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ گلاسز والا ہاتھ بڑھایا۔

''میں شاید اپنے گلا....اوہ....''زمر کا سوال مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ حنین کو دیکھ کر لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔اس نے عینک پکڑی اور ہولے سے حنہ کا گال تھپتھپایا۔

''میری زندگی میں ہونے کے لیے شکریہ حنہ۔''اب کے وہ گئی تو حنین واپس صوفے پہ آ بیٹھی۔اسے دوبارہ کھڑکی میں نہیں کھڑے ہونا تھا۔کیونکہ زمر بھول صرف ایک دفعہ کرتی تھی۔حنین امید صرف ایک دفعہ لگاتی تھی۔

اس نے میز سے لسٹ اٹھائی تو فوراً سے مسکراہٹ اڑن چھو ہوئی۔وہاں سعدی کے نام کے آگے لکھا سموسے کاٹ کر برتن لکھا

تھا۔اور بھائی خود غائب تھا۔حنین نے غصے سے چلانے کے لیے منہ کھولا' مگر پھر خود ہی ہنس پڑی اور برتن کو دوبارہ سمو سے کر کے لاؤنج کے کونے میں رکھی کمپیوٹر ٹیبل پہ آ گئی۔ادھر اس نے کمپیوٹر آن کیا' ادھر سیم ساتھ والی کرسی پہ آ بیٹھا۔وہ گیم کھیلے گی تو وہ دیکھے گا۔یہی دستور تھا' یہی معمول تھا۔

.....❖❖❖.....

ڈائننگ ٹیبل پہ کریلے گوشت کے قریب مٹر قیمہ بھی ایک چھوٹے ڈونگے میں رکھا تھا اور فرحانہ بیگم اس میں سے چمچ سے سالن نکالتی کہہ رہی تھیں۔

''مرچیں ندرت ہمیشہ سے تیز ڈالتی ہے۔اب اگر تمہیں دینا ہی تھا تو وہ سالن دیتی جس میں مسالہ کم ہو' مگر نہ جی۔'' سربراہی کرسی پہ براجمان بڑے ابا روٹی کا نوالہ توڑ رہے تھے۔اور دائیں ہاتھ بیٹھی زمر پانی کا گھونٹ بھر رہی تھی۔دونوں نے نہیں سنا۔

''اصل میں پتا ہوتا ہے نا اس کو کہ ہم دونوں بوڑھوں نے بھی کھانا ہے اور مرچیں ہمیں کتنا نقصان کریں گی۔'' اب کی بار یوسف خان نے خفگی سے ان کو دیکھا۔

''بوڑھوں کی فہرست آپ خود تک محدود رکھیے بیگم! میں ابھی اس میں شامل نہیں ہوا ہوں۔''

زمر نے مسکراتے ہوئے منہ میں موجود لقمہ چبایا اور پھر ان کو متوجہ کیا۔

''پتا ہے آج کل میری کلاس میں کون آ رہا ہے؟'' کہہ کر اس نے دوسرا لقمہ منہ میں رکھا اور لب بند کیے بہت نفاست سے اسے چباتی رہی اور وہ دونوں اس کو دیکھتے رہے۔جب نگل چکی تو بولی۔

''فارس غازی....ندرت بھابی کا سوتیلا بھائی جو انٹیلی جنس میں ہوتا ہے۔''

فرحانہ حیران ہوئیں' پھر مشکوک۔

''تمہاری کلاس میں وہ کیا کر رہا ہے؟''

''ہاں زمر! اس نے مجھے بتایا تھا کہ ایل ایل بی کر رہا ہے۔اس سے اس کو ترقی کے چانسز زیادہ ملیں گے۔یہ لڑکے بھی نا' پڑھائی سے بھاگنے کے لیے فورسز میں جاتے ہیں اور پھر وہاں پڑھتے بھی ہیں اور بھاگتے بھی ہیں۔''

''کیا ندرت نے ذکر کیا تھا پہلے؟'' ان کو نظر انداز کیے فرحانہ تیزی سے بولیں۔

''کیا ہوتا تو میں تبادلے میں اس کی مدد ہی کروا دیتی۔'' وہ سلاد کی پلیٹ اٹھا کر کانٹے سے کچھ کھیرے اپنی پلیٹ میں نکال رہی تھی۔

''اب تم زیادہ اچھی نہ بننا کہ اس کے سوتیلے بھائی کو فیور دینے لگ جاؤ۔''

زمر نے گلاس سے گھونٹ بھرا۔گیلے لب نیپکن سے تھپتھپائے اور سر اٹھا کر امی کو سنجیدگی سے دیکھا۔

''امی! ایک چیز ابھی سے کلیئر کر لیتے ہیں۔یونیورسٹی مجھے ایوننگ کلاسز لینے کا ایک معقول معاوضہ دیتی ہے اور اس معاوضے کو حلال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ میں یونیورسٹی کے ساتھ کیے گئے اپنے معاہدے کو پورا کروں' جس کے تحت میں ہر اسٹوڈنٹ کی غیر مشروط مدد کرنے کی پابند ہوں۔اور اس لیے میں ذاتی تعصب کی بنا پہ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتی ہوں اور نہ ہی ذاتی تعلق کی بنا پہ غیر ضروری فائدہ دے سکتی ہوں۔پھر چاہے بھابی کا بھائی ہو یا سلیم درزی کا بیٹا' جو بھی میرے پاس مسئلہ لے کر آئے گا' مجھے اسے حل کرنا ہوگا۔''

بہت نرمی اور رسان سے اس نے کہا مگر عام حالات میں شگفتہ رہنے والی فرحانہ ندرت کے ذکر پہ خفا سی ہو کر برتن اٹھانے لگیں۔

''ہاں ہاں' میں تو کہہ کر پھنس جاتی ہوں۔''

''پھنس تو آپ اچھا کھانا بنا کر بھی جاتی ہیں۔کیونکہ ہم ٹیچرز شاید اگلے ماہ ون ڈش رکھیں تو اس میں بھی مجھے ایسا ہی کریلے گوشت بنا

کر دیجیے گا۔ کیونکہ ماؤں کے ہاتھ کے کریلے کبھی کڑوے نہیں ہوتے۔''

''ہاں تو بُرا کھانا بنایا ہے میں نے کبھی؟'' اب کے ناراضی مصنوعی تھی۔ ان کے جاتے ہی یوسف صاحب فوراً زمر کی طرف مڑے۔

''فارس کا ہر طرح سے خیال رکھنا۔ کوئی بھی ضرورت ہو تو اس کی مدد ضرور کرنا۔''

''جیسا کہ میں نے ابھی کہا' بلاضرورت کوئی فائدہ دوں گی نہ بے وجہ کوئی نقصان۔'' وہ کندھا اچکا کر ٹوتھ پک نکال رہی تھی۔

''ویسے آپ کا ذکر کر رہا تھا وہ۔'' سرسری سا کہا۔ بڑے ابا چونکے۔ کچن کو دیکھا' پھر اس کو۔

''اچھے لوگوں کی اچھی عادتوں میں سے ایک دوسروں کو اچھے لفظوں میں یاد رکھنا بھی ہوتی ہے۔''

''آپ یہ کہنے کے لیے تمہید باندھ رہے ہیں کہ آپ نے کبھی اس کی کوئی مدد نہیں کی۔''

''تم سے کس نے کہا ہے؟''

''جب آخری دفعہ میں نے چیک کیا تھا تو میرے اوپر وحی تو اترتی نہیں تھی۔'' وہ بہت اطمینان سے نیپکن سے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔ ''پھر کیا مدد کی تھی آپ نے ان کی؟''

''تم....'' تلملا کر پھر سے کچن کو دیکھا۔ ''تم میرے گھر کا ماحول خراب کرنے پہ تلی ہو۔''

''اگر آپ کے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ میرے سوال کے جواب کے علاوہ ہوئے تو میں یہی سوال تھوڑی دیر بعد گرما گرم چائے کے ساتھ دہرا دوں گی۔'' اب وہ ہتھیلی پہ چہرہ ٹکائے مسکرا کر ان کو دیکھ رہی تھی۔

''اتنا بھی نہیں کیا کچھ خاص' جتنا وہ یاد رکھتا ہے۔ وہ زیادہ پڑھ نہیں سکا تھا۔ ماں نے تھوڑا بہت روپیہ پیسہ چھوڑا۔ اس سے چھوٹی عمر میں کاروبار کرنے کی کوشش کی تو سب ڈوب گیا۔ اوپر سے قرضہ بھی چڑھ گیا۔ اس کے ماموں کافی امیر آدمی ہیں مگر ان سے مانگتے اس کی ناک آڑے آتی تھی۔ اس لیے میں نے اس کی مدد کی تھی قرضہ اتارنے میں۔ اور پھر ایجنسی میں نوکری کے لیے بھی تھوڑی بہت کوشش کی۔ حالانکہ وہ میرٹ پہ سیلیکٹ ہوا مگر اس کو بھی میرے کھاتے میں ڈال دیتا ہے۔ اب تو سارا قرضہ لوٹا بھی چکا ہے' پھر بھی بھولتا نہیں ہے۔''

''تو اچھی بات ہے نا۔ زندگی بن گئی اس کی' اس لیے یاد رکھتا ہے۔''

وہ کہنیاں میز پہ ٹکائے اب پھر سے پانی پی رہی تھی۔ بڑے ابا نیپکن ہٹا کر اٹھے اور کونے میں لگے سنک کے اوپر کھڑے ہاتھ دھونے لگے۔ زمر گھونٹ گھونٹ پانی پیتی مسکرا کر اپنے ابا کو دیکھتی رہی جو واقعی ابھی بوڑھوں اور معذوروں کی فہرست میں شامل نہیں ہوئے تھے۔

.....❖❖❖.....

دروازہ زور زور سے بجا۔ ایک' دو' تین۔ سعدی نے ''آرہا ہوں'' کہتے راہداری پار کی۔ دوبارہ دستک ہوئی۔ بیل بھی بجی۔ ''اوہو'' اس نے دروازہ کھولا۔ سامنے فارس کھڑا تھا۔

''یار ماموں! میں کھول ہی رہا تھا۔ آپ....'' گڑبڑا کر وہ چپ ہوا۔ فارس نے آنکھ سے اشارہ کیا اور پیچھے مڑ کر کہا۔

''آیئے ماموں!'' سعدی کے لب کھل گئے۔ مطلب ماموں کے ماموں؟ وہ دیکھے بغیر اندر بھاگا۔ امی کچن میں شام کی چائے کو دم لگا رہی تھیں۔ وہ ان کے سر پہ جا پہنچا۔

''امی.... ماموں کے.... ماموں آئے ہیں۔ مطلب' افوہ۔''

''کیا؟'' پہلے تو امی کو سمجھ نہیں آیا اور جب آیا تو جلدی سے باہر آئیں۔ فارس راہداری سے ہوتا ہوا ان کو لا رہا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس' باریک تراشیدہ سفید' سرمئی مونچھوں والے' کافی بارعب' مگر ہینڈسم آدمی تھے۔ آنکھوں میں ایک سخت سا تاثر تھا' گردن میں سریا۔ امی کے

سلام کا سر کے خم سے جواب دیا۔ تنے ابرو کے ساتھ کرّ وفر سے بڑے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھے۔

''بہت اچھا لگا کہ آپ آئے۔'' امی اپنی ابتدائی بوکھلاہٹ پہ قابو پاتی' کہتے ہوئے صوفے کے کشن برابر کر رہی تھیں۔ شکر کہ لاؤنج صاف پڑا تھا۔ پھر بھی نظر گھما کر دیکھا اور جب فارس پہ نگاہ ٹھہری تو ندرت نے ''بتایا کیوں نہیں؟'' والے انداز میں اسے گھورا' مگر وہ ذرا سے ٹانے اچکا کر سنگل صوفے پہ جا بیٹھا۔

''یہ میرا بیٹا ہے سعدی۔'' امی سامنے کھڑی تعارف کروانے لگیں۔ سعدی نے مسکرا کر سلام کیا۔ انہوں نے بنا مسکرائے مگر شائستگی سے جواب دیا۔ وہ کشن لے کر کارپٹ پہ بیٹھ گیا۔ لاؤنج کے کونے میں کمپیوٹر ٹیبل پہ بیٹھی حنین مسلسل کی بورڈ پہ کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ ندرت نے بظاہر مسکراتے ہوئے مگر گھور کر کہا۔

''حنہ! سلام کرو۔'' تو وہ ذرا سی مڑی' سلام کیا اور واپس۔ اورنگزیب کا ردار نے تو شاید سنا ہی نہیں۔ پرتکلف سے بیٹھے تھے۔ ''آپ کی عزت بخشی ہے'' والا انداز۔

راہداری کا دروازہ پھر بجا۔ دھیما سا جیسے کسی نے انگلی کی پشت سے ناک کیا ہو۔ سعدی فوراً اٹھا تو کاردار صاحب بولے۔

''میرا بیٹا ہوگا۔ کال سننے رک گیا تھا۔'' سعدی راہداری میں آیا تو وہ ادھر کھلے دروازے میں کھڑا تھا۔ اس نے ٹائی اور ویسٹ بھی ہوئی رکھی تھی' بس کوٹ نہیں تھا۔ ٹائی پن' کف لنکس' جوتے' ہر شے اپنی قیمت آپ بتاتی تھی اور اس سے زیادہ بیش قیمت اس کی مسکراہٹ تھی۔

''میں ہاشم ہوں' ہاشم کاردار۔ میرے ڈیڈ غالباً اندر ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اپنائیت سے بولا تھا۔ سعدی جلدی سے اس تک آیا۔

''جی وہ اندر ہیں۔ میں سعدی یوسف ہوں۔'' اس نے بھی مسکرا کر بتایا۔ اندر آنے کا راستہ دیا۔

ہاشم ندرت سے بھی اسی مسکراہٹ کے ساتھ ملا۔ پھر اپنے باپ کے ساتھ صوفے کے دوسرے سرے پہ جا بیٹھا۔ سعدی کو محسوس ہوا کہ وہ ہمیشہ اپنی گہری آنکھوں سے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے مسکراتے رہنے کا عادی تھا۔ جو بھی تھا' وہ اسے اچھا لگا تھا۔

''ہاشم کی شادی ہے اگلے ہفتے۔ ولیمہ کا کارڈ مل گیا آپ کو؟'' اسی سنجیدگی سے اورنگزیب کاردار نے ندرت کو مخاطب کیا۔ وہ سامنے والی صوفے پہ ٹکی تھیں' سر ہلانے لگیں۔

''جی جی' ہم ضرور آئیں گے۔'' (حالانکہ اس سے پہلے آنے کا ارادہ نہ تھا)

''ہاشم اور میں آفس سے نکلے تھے تو فارس مل گیا۔'' ہاتھ سے ذرا سا اشارہ کیا اس کی طرف جو بے نیاز سا دوسرے سنگل صوفے پہ بیٹھا موبائل پہ کچھ کر رہا تھا۔ ''تو سوچا اس کے رشتہ داروں کو ذاتی طور پر مدعو کر دیں۔ باقی آپ کے دوسرے رشتہ دار....'' نظر بھر کر ہاشم کو دیکھا۔ ''وہ سب ہاشم سنبھال لے گا۔'' ہاشم نے اثبات میں سر کو خم دیا۔ اب اورنگزیب کاردار کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھتے خاموش بیٹھے تھے۔ بہرحال ان کی مہربانی تھی کہ وہ چلے آئے۔ ورنہ مزاج کے تو وہ اسی طرح سخت اور غصہ ور مشہور تھے' ندرت نے سوچا۔

خاموشی کا وقفہ ذرا بڑھا تو ہاشم نے دوستانہ انداز میں کارپٹ پہ کشن کے سہارے بیٹھے اٹھارہ سالہ سعدی کو مخاطب کیا۔

''کیا پڑھ رہے ہو تم؟''

''یونیورسٹی آف لیڈز میں کیمکل انجینئرنگ کے لیے اپلائی کیا ہے مگر ابھی اسکالرشپ کا حتمی فیصلہ نہیں آیا۔''

''تو کتنی امید ہے کہ انجینئر بن جاؤ گے؟''

سعدی ذرا جھینپ کر ہنسا۔ ''میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔''

''پھر بھی' گھر میں ایک بچہ ایسا ہوتا ہے جس کے بارے میں ماں باپ کو بچپن سے یہ امید ہوتی ہے کہ وہ سب سنبھال سکتا ہے۔ (مسکرا کر باپ کو دیکھا اور ندرت کی طرف متوجہ ہوا) وہ جو ضرور کسی قابل بن جائے گا۔ تو آپ کے بچوں میں سے ایسا کون ہے؟''

پھر سعدی کو دیکھا۔

''کیا وہ تم ہو؟''

''ہم تینوں میں سے بھی ایک کا سب کو پتا ہے کہ اس نے انجینئر ضرور بننا ہے۔ باقیوں کا کوئی پتا نہیں۔ اور وہ ایک میں نہیں ہوں بالکل بھی۔''

ہاشم نے شاید اس جواب کی توقع نہیں کی تھی تبھی تعجب سے ابرو سوالیہ اٹھائی۔

''تو؟''

کمپیوٹر چیئر گھومی۔ ماتھے پہ کٹے بالوں والی لڑکی سامنے ہوئی اور ہاشم کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔ ''وہ میں ہوں' حنین ذوالفقار یوسف خان۔''

(عرف حنہ' عرف کٹو بیگم) سعدی اتنا آہستہ بڑبڑایا کہ اپنے سوا کسی کو آواز نہیں آئی۔

''ہوں.... گڈ!'' ہاشم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ بے نیازی سے واپس گھوم گئی۔

''حنین تو انجینئر بن ہی جائے گی۔ یہ سارہ خالہ کی طرح پڑھائی میں بہت اچھی ہے۔''

''کیا.... فارس کی کوئی اور بہن بھی ہے؟''

اورنگزیب کا ردار نے چونک کر فارس کو دیکھا۔ وہ موبائل سے نظریں ہٹائے بغیر ہاتھ مسلسل چلاتے ہوئے بولا۔

''نہیں۔ وہ وارث کی بیوی ہے۔ اصل میں سارہ میری فرسٹ کزن بھی ہے' تو بچے بچپن سے خالہ بولتے ہیں۔ بعد میں اس کی شادی میرے بھائی سے ہوگئی تو ان کی ممانی بھی بن گئی۔'' ندرت نے تفصیل سے بتایا۔ مگر سعدی کو اس نامکمل تعارف پہ بے چینی ہوئی۔

''وہ یو کے گئی ہوئی ہیں پی ایچ ڈی کرنے۔ اور وہ پراسس ڈیزائن میں پی ایچ ڈی کرنے والی پہلی خاتون ہیں۔'' ہاشم نے مسکرا کر سر ہلایا۔ اورنگزیب پھر سے گھڑی کو دیکھنے لگے۔ سعدی کو لگا کوئی متاثر نہیں ہوا۔ اس نے ہاشم سے پوچھا۔

''آپ نے کہاں سے پڑھا ہے؟''

''اسٹین فورڈ سے۔ میں لائیر ہوں۔''

سعدی کے لب ''اوہ'' میں سکڑے۔ ''تو آپ وکیل ہیں۔ میری پھپھو بھی وکیل ہیں۔''

''انہوں نے کہاں سے پڑھا ہے؟'' وہ اسی نرم مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

''یہیں پاکستان سے۔'' سعدی کے لہجے میں فخر تھا۔

ندرت چائے کے لیے اٹھیں تو اورنگزیب منع کرنے لگے۔ ان کو جانے کی عجلت تھی۔ ان کا وقت بے حد قیمتی تھا۔ مگر ندرت بصد اصرار چلی ہی گئیں۔

''تم میرے ساتھ رؤف کی طرف آؤ گے؟'' انہوں نے ہاشم کو مخاطب کیا۔

''جی۔ مگر میں وہاں سے جلدی اٹھ جاؤں گا۔ شہری نے کوئی نئی موووی لی تھی۔ ہمارا ساتھ دیکھنے کا پروگرام تھا۔'' اورنگزیب صاحب نے ہوں میں سر کو خم دیا۔ ایک دفعہ پھر گھڑی دیکھی۔ اس سے پہلے کہ وہ فارس سے کہتے کہ اپنی بہن کو فضول کی خاطر داری سے منع کرے' کمپیوٹر چیئر کے پہیے گھومے۔ حنین سامنے ہوئی۔

''کون سی موووی دیکھنے جا رہے ہیں آپ؟'' ہاشم نے بے اختیار اسے دیکھا۔

''ایک نئی امریکی موووی آئی ہے۔''

''آپ نام بتائیں' میں نے دیکھ رکھی ہوگی۔''

''یہ....'' وہ متذبذب ہوا۔''ابھی کچھ عرصہ پہلے ریلیز ہوئی ہے۔ بورن الٹی میٹم۔''

''اوہ.... بورن سیریز۔'' حنین نے منہ بنایا۔''اس کا صرف پہلا پارٹ اچھا تھا۔ مگر یہ والا پارٹ کافی ڈریگ کیا گیا ہے۔ بورن آئی ڈینٹٹی Bourne Identity والی بات نہیں ہے اس میں۔''

ہاشم نے مسکراتے ہوئے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔''کیا تمہیں یقین ہے کہ تم بورن سیریز کے ناولز کی بات نہیں کر رہیں؟''

''آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ میں ناول پڑھ کر ظاہر کر رہی ہوں کہ میں نے مووی بھی دیکھ رکھی ہے؟ شاید آپ کو معلوم نہیں ہے کہ سیریز ان ناولز پہ صرف Loosely Based ہے۔ اور جب آپ یہ نیا پارٹ دیکھیں اور اکثر جگہوں پہ کیمرہ بری طرح ہلتا ہوا محسوس ہو اور لگے جیسے کیمرہ مین کو رعشہ لاحق ہے' تو جان لیجیے گا کہ آپ سے پہلے یہ فلم دیکھنے والی حنین یوسف سچ کہہ رہی تھی اور میں اس فلم کو مزید ڈسکس کرتی' لیکن مجھے اس طرح کی فلمیں زیادہ پسند نہیں۔ سو بات ختم!''

ہاشم نے صرف مسکرا کر سر ہلایا مگر اورنگزیب کا ردار آنکھیں سکیڑ کر اس کو دیکھنے لگے تھے۔

''تو تمہیں کس طرح کی فلمیں پسند ہیں؟'' وہ ابھی بھی پُرتکلف اور سرد آواز میں پوچھ رہے تھے مگر توجہ پوری اس کی طرف تھی۔

سعدی نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا' جیسے کٹو کو سننے کی تاب اس میں نہیں تھی۔ حنین نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔

''فلم کا اچھا ہونے کے لیے کسی خاص طرح کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ پلاٹ اور کرداروں کو اچھا ہونا چاہیے۔ اور کسی بھی کہانی کے اچھا ہونے کا مطلب حقیقت سے قریب ہونا نہیں' کنوینسنگ ہونا ہے۔ مجھے ایسی امریکی فلمیں نہیں پسند جن میں ہیرو مار کھا کھا کر بھی نہیں مرتا۔ مگر ڈائی ہارڈ مجھے بہت پسند ہے۔ مجھے ہارر فلمیں بھی سخت ناپسند ہیں مگر ''دی رنگ'' بہت اچھی ہے۔ جادوئی فینٹسی تو مجھے زہر لگتی ہے مگر ہیری پوٹر اور لارڈ آف دی رنگز کی کیا بات ہے۔ سائنس بھی بہت بور کرتی ہیں مجھے مگر ''آئی روبوٹ'' میں بار بار دیکھ سکتی ہوں۔ سائیکو تھرلز سے تو مجھے چڑ ہے' مگر سائلنس آف دی لیمب میری فیورٹ ہے۔ پیریڈ فلمیں بھی بعض اوقات بہت مصنوعی ہو جاتی ہیں مگر گلیڈی ایٹر' پیٹریاٹ اور ہارٹ بریو ہارٹ میں میری جان ہے۔''

وہ تب خاموش ہوئی جب چائے آئی اور اورنگزیب صاحب نے کپ پکڑ بھی لیا اور گھونٹ بھر بھی لیا۔ دیکھ ابھی تک وہ اسی کو رہے تھے۔

''تو پھر تمہیں آخر پسند کس طرح کی انگریزی فلمیں ہیں؟''

''کس نے کہا مجھے انگریزی فلمیں پسند ہیں؟ ہالی ووڈ کی ہر فلم اب ایک جیسی لگنے لگی ہے۔ میں تو ایرانی' کورین' چائنیز' تائیوانی اور ہسپانوی فلمیں دیکھتی ہوں زیادہ شوق سے۔ اور ہسپانوی بھی وہ جو اسپین کی نہیں بلکہ کولمبیا کی ہسپانوی زبان میں بنی فلمیں ہوں۔''

ہاشم نے باپ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔''اور ایک لائق اسٹوڈنٹ کو فلمیں دیکھنے کا فارغ وقت کیسے مل جاتا ہے؟''

''کس نے کہا کہ میں اپنا فارغ وقت صرف مووی پہ لگاتی ہوں؟ مجھے تو کمپیوٹر گیمز زیادہ پسند ہیں۔ میں نے اب تک کال آف ڈیوٹی میں پتا ہے کتنے....''

''حنین اگر تم ابھی کے ابھی خاموش ہو کر ہمیں شکریے کا موقع دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کل تمہارے لیے چھ عدد سیخ کباب لاؤں گا۔''

سعدی نے بس ہاتھ نہیں جوڑے' لہجہ ورنہ ایسا ہی تھا۔ حنین نے سنجیدگی سے ذرا مڑ کر اسے دیکھا۔

''چھ نہیں بارہ۔ اور ساتھ میں مایونیز والی ساس بھی۔'' اور واپس گھوم گئی۔

''ہاں ہاں ٹھیک ہے۔'' سعدی نے جھلا کر گویا جان چھڑائی۔ اورنگزیب صاحب آدھی چائے پی چکے تھے۔ باکس آفس ختم ہوا تو

باقی چائے کی امید بھی دم توڑ گئی۔ وہ اٹھ گئے۔

''فنکشن میں آنا اور اس بچی کو بھی ساتھ لانا۔'' دروازے تک جاتے انہوں نے ندرت سے بس اتنا کہا۔ سعدی اور وہ انہیں چھوڑنے باہر تک آئے۔ فارس وہیں بیٹھا تھا۔

''جب تک تمہارا اسکالرشپ فائنل نہیں ہوتا' تم میرے گھر آجایا کرو۔ میری اسٹڈی تمہیں ضرور متاثر کرے گی اور تم وہاں بیٹھ کر کچھ پڑھ بھی سکو گے۔'' ہاشم نے کار کے ساتھ کھڑے سعدی کو جب یہ بات کہی تو اس نے اسے ازراہ مروّت کی جانے والی پیشکش سمجھا آخری خدا حافظ سے پہلے جب ہاشم نے یہ دہرایا تو سعدی نے بھی مسکرا کر آنے کا وعدہ کرلیا۔ گو کہ اسے بالکل بھی نہیں لگتا تھا کہ وہ کار دارز کے جائے گا۔

اسے غلط لگتا تھا۔

.....❖❖❖.....

زمر فون کان سے لگائے لاؤنج میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شدید اضطراب رقم تھا۔ دوسری جانب گھنٹی رہی تھی۔

دفعتاً وہ رکی۔ ''جی میں زمر بات کر رہی ہوں۔ جی بالکل.... میں نے طلباء کی فہرست معلوم کرنے کے لیے کال کی تھی جو اسکالرشپ کے لیے نامزد ہوئے ہیں۔''

ایک گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی بظاہر نارمل انداز میں کہہ رہی تھی۔

''آپ مجھے وہ پانچ نام پڑھ کر سنا سکتے ہیں؟ جی.... جی ہوں۔'' وہ لب آپس میں پیوست کیے ٹہلتی ہوئی سنتی گئی۔ چہرے پہ تناؤ بڑھ گیا۔ ایک' دو' پانچ....

''کیا یہی تمام نام ہیں؟ آر یو شیور؟'' آہستہ آہستہ آنکھوں میں امید کی جوت بجھتی گئی۔

''او کے.... مگر کیا آپ کانٹیکٹ چیک کر سکتے ہیں؟ اس فہرست میں واقعی کسی سعدی یوسف کا نام نہیں ہے؟'' ایک آخری امید.... وہ جس پہ سب کی دنیا قائم ہے۔ مگر جواب سن کر ساری دنیا ڈوبتی گئی۔

''او کے۔'' اسے اپنی آواز مدھم سی سنائی دی۔ آہستہ سے فون رکھا اور صوفے پہ بیٹھ گئی۔ کمرے سے فرحانہ کے دروازہ کھولنے کی آواز آئی۔ لحاف کا بنڈل بنا کر اٹھائے وہ اسٹور روم کی طرف جا رہی تھیں۔ اسے زرد' شل سا بیٹھے دیکھ کر رکیں۔

''کیا ہوا؟'' وہ چونکی۔ پھر پھیکا سا مسکرائی۔

''کچھ نہیں ہوا۔'' اور یہی تو صدمہ تھا کہ کچھ نہیں ہوا۔

.....❖❖❖.....

آج کمپیوٹر چیئر خالی تھی کیونکہ حنین صوفے پہ بیٹھی تھی۔ گود میں پلیٹ تھی اور وہ ابھی تک کھا رہی تھی۔ ان کی ''ون ڈش'' پارٹی ہو چکی تھی۔

زمر بڑے صوفے پہ بیٹھی ٹشو سے نفاست سے لب تھپتھپا رہی تھی۔ سعدی امی کے ساتھ برتن اٹھوا رہا تھا۔ سیم باقی ماندہ پیپسی پی رہا تھا۔

''ہاں میں نے پتا کیا تھا۔'' ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے زمر نے سعدی کے سوال کا جواب دیا اور پھر اس کی طرف دیکھ کر سکون سے بولی۔ ''ناموں کا اعلان ابھی نہیں ہوا۔ شاید دو تین دن مزید لگیں۔''

''اوہ۔'' سعدی کا جوش' امید' خوف سب ٹھنڈا ہوا۔ وہ آخری پلیٹ ندرت کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے میں رکھ کر زمر کے ساتھ صوفے پہ بیٹھا۔ گھٹنوں پہ کہنیاں رکھے آگے کو جھک کر بیٹھے وہ مایوس لگ رہا تھا۔

''سعدی! تمہیں اسکالرشپ مل جائے گا۔ بعض دفعہ لوگ میرٹ پہ اسکالرشپ نہیں بانٹتے' بلکہ ناانصافی کر جاتے ہیں۔ اس کے باوجود تمہارے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی۔'' اس نے سعدی کے کندھے کو تھپکا۔

وہ ''ہوں'' کہہ کر مسکرا دیا۔ مگر وہ بددل زیادہ تھا۔ تب ہی جب گھنٹی بجی تو اس نے کہا۔

''سیم موٹے آلو! جاؤ جا کر دروازہ کھولو۔ کبھی کوئی کام بھی کر لیا کرو۔''

سیم نے فوراً تعمیل کی۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے پیچھے فارس تھا۔ چوکھٹ پہ وہ ذرا دیر کو جھجکا۔ زمر بھی اسے دیکھ کر ذرا زیادہ سیدھی ہوئی۔

''سوری میں غلط وقت پہ آ گیا۔ وہ جو چیزیں کہی تھیں آپا سے' وہی لینے آیا تھا۔'' اور وہ بالکل بھی نادم نہیں نظر آ رہا تھا۔

''اٹس او کے ماموں' آئیں۔ ہم بس پارٹی ختم کر چکے تھے۔'' سعدی اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہوں.... میں بھی بس نکلنے والی تھی۔ اور آپ ٹھیک ہیں؟'' زمر اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے اسے دیکھ کر ذرا سا تکلفاً مسکرائی۔ فارس نے قدرے تعجب سے اسے دیکھا' اور میز کی حالت کو۔ پارٹی واقعی ختم ہو چکی تھی۔

(صبح آپا نے تو کہا تھا کہ زمر اور بچوں نے شام کو پارٹی کرنی ہے۔ میں لیٹ ہو گیا یا ان کے چھ جلدی بج گئے؟) اس نے سوچا۔ پھر سر جھٹکا۔ اسے کیا' وہ تو اپنی چیزیں اٹھانے آیا تھا۔ ہاں ٹھیک ہے' اسے کل صبح لینی تھیں وہ چیزیں' لیکن اگر جلدی آ گیا تو کیا ہوا ہاں؟''

''یا.... ایم فائن۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ پھر کچن کی طرف رخ کر کے آواز دی۔ ''آپا! میرا بیگ دے دیں تو میں جاؤں۔''

''اوہ' تم ابھی آ گئے۔ میں سمجھی کل آؤ گے۔'' ندرت ہاتھ صاف کرتی حیرت سے ادھر آئیں۔ ''اچھا بیٹھو' میں لاتی ہوں۔''

زمر نے اپنی چیزیں سمیٹ لی تھیں۔ صرف کار کی چابیاں ہاتھ میں پکڑ رکھی تھیں۔ اب اسے اٹھنا تھا' مگر حنین سامنے بیٹھی بہت ہی دل جمعی سے پنجر سے بوٹی الگ کرتی کھا رہی تھی۔ زمر نے اسے دیکھا تو وہ ادھر ہی دیکھ رہی تھی۔ گھر کا سب سے پُراعتماد بچہ پھپھو کے دیکھنے پہ شرما جاتا تھا۔ مسکرا کر کھانے لگی۔ زمر بھی مسکرا دی اور فارس کو دیکھا جو ابھی تک کھڑا تھا۔ سعدی نے سنگل صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''بیٹھ جائیں۔ یہ کاٹنا نہیں ہے۔''

مگر وہ نظر انداز کر کے آپا کی طرف بڑھ گیا جو اندر سے اس کا بیگ لا رہی تھیں۔

''کیا بس یہی بھجوایا ہے سلیم انکل نے؟'' اس نے بیگ کو ہاتھوں میں لے کر ٹٹولا' جیسے وزن چیک کیا۔

''ہاں۔ ایک دفعہ دیکھ کر تسلی کر لو' سب کچھ پورا ہے۔'' وہ بیٹھ گیا۔ بیگ کی زپ کھولی۔ زمر بھی بے اختیار دیکھنے لگی۔ باقی سب کو شاید پتا تھا کہ اندر کیا ہے۔

فارس نے ہاتھ ڈال کر بندوق نکالی۔ لمبی نالی والی antique گن۔ الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اندر موجود گولیاں چیک کیں۔ ہوں' سب پورا تھا۔

''یہ ہمارے ابو کے ایک دوست تھے' ان کو شکار کا بہت شوق ہے۔ فارس کو ان کی کوئی گن اچھی لگی تو انہوں نے اس کے لیے بھجوا دی۔ مگر اس کو ضد تھی کہ یہ خریدے گا' تحفہ نہیں لے گا۔ یوں کرتے کرتے ان کو باہر جانا پڑ گیا تو پے منٹ ملنے کے بعد میری طرف ڈراپ کروا دی۔'' ندرت نے زمر کو دیکھتے ہوئے وضاحت دی۔ فارس نے زپ بند کر کے سر اٹھایا تو وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو گنز پسند ہیں؟'' تعجب سے اس نے ابرو اٹھائی۔ فارس نے دو تین سیکنڈ اس کی آنکھوں میں دیکھا' پھر ابرو اچکا کر بولا۔

''بہت زیادہ۔ کیونکہ گنز انسانوں کو نہیں مارتیں' انسان انسانوں کو مارتے ہیں۔''

''آ.... میرا یہ مطلب نہیں تھا.... اور آپ کی پڑھائی ٹھیک جا رہی ہے؟'' اس نے بات بدلی۔ صوفے کے کنارے ٹکی وہ بس جانے کی تیاری میں تھی۔

''ہوں۔ مگر....'' اسے دیکھتے ہوئے فارس ٹھہرا۔ ''آپ نے جو پچھلے ہفتے ہینڈ آؤٹ فوٹو کاپی کروا کر کلاس میں دیا تھا' وہ مجھے نہیں ملا۔''

''اوہ.... مگر وہ تو آپ کے آنے کے بعد دیا گیا تھا۔''

''شاید ابھی میری کوئی اہمیت نہیں ہے وہاں۔'' اس نے شانے اچکا دیے۔ زمر فکرمند ہوئی۔

''پھر تو آپ کو وہ تینوں ٹاپکس سمجھ میں نہیں آئے ہوں گے۔''

''سب اوپر سے گزر گیا۔'' ہاتھ سے سر کے اوپر اشارہ کیا۔ ''اگر آپ کے پاس وقت ہو تو؟''

''جی' بالکل' میں کل' نہیں پرسوں۔'' ٹھوڑی پہ انگلی رکھے اس نے سوچا۔ ''ہاں پرسوں آپ میرے پاس آیئے گا کلاس سے پہلے۔ میں تب تک آپ کے لیے وہ نوٹس دوبارہ کاپی کروا دوں گی۔''

''شیور! تھینکس۔'' اس نے بس اتنا کہا۔ حنین اب ہاتھ دھونے کچن میں جا چکی تھی۔

زمر جانے کے لیے اٹھ گئی۔ مگر اٹھنے سے پہلے اس نے چابیاں کشن کے پیچھے رکھیں اور ان کو دیکھے بنا کھڑی ہوئی۔ فارس نے بیگ کندھے پہ ڈالتے ہوئے کن اکھیوں سے یہ دیکھا تھا۔ اسے چھوڑنے باہر گیا۔ حنین واپس آئی تو وہ جا چکی تھی۔ وہ ایک دم کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی اور پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگی۔

فارس پتلیاں سکیڑ کر اب بغور حنین کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ چہکی۔ چہرے پہ سارے زمانے کی خوشی در آئی۔ ''پھپھو پھر بھول گئیں۔'' اور جلدی سے صوفے تک آئی۔ اوپر نیچے ہاتھ مارا۔ کشن پرے کیا۔ ''یہ رہا چابیوں کا گچھا۔'' اس نے فاتحانہ انداز میں وہ اٹھایا اور راہداری کی طرف لپکی۔ فارس کو یہاں تک آوازیں آ رہی تھیں۔ زمر اور سعدی واپس آئے تھے۔

''پھپھو چابی بھول گئیں۔'' سعدی نے پکارا۔

حنین ان کو چابی دے رہی تھی۔ زمر کچھ کہہ رہی تھی.... ہر دفعہ کا معمول.... سعدی ہر دفعہ حیران ہوتا۔ پھر کبھی ہنس دیتا۔ اب بھی ہنس دیا۔ وہ چلی گئی اور گھر خاموش ہوگیا۔ حالانکہ وہ تو اتنا بولتی بھی نہیں تھی۔ خاموشی ساتھ لاتی تھی' خاموشی چھوڑ جاتی تھی۔

حنین واپس آئی تو اس کا چہرہ یہ گلنار ہو رہا تھا۔ بڑی فرصت سے اس نے پلیٹ اٹھائی اور کچن میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد جب فارس ان کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکلا تو گاڑی میں بیٹھتے ہی بیگ پچھلی سیٹ پہ پھینکا۔ ڈیش بورڈ کا خانہ کھولا۔ ادھر ادھر چیزیں پلٹیں۔ پھر وہ مل گیا۔

فوٹو کاپی شدہ نوٹس۔

وہ اسے اٹھائے باہر نکلا۔ سڑک کنارے ایک کوڑے کے بڑے سے ڈبے کے اوپر کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں میں اسے پکڑتے اس کے چار ٹکڑے کیے اور اندر پھینک دیا۔ پھر دور آسمان کو دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔

''اب منہ سے نکل جائے کچھ تو بندہ کیا کرے؟''

شانے اچکا کر وہ واپس ہولیا۔

.....❖❖❖.....

کاردارز کا قصر اپنی پوری آب و تاب سے اس سبزہ زار پہ کھڑا تھا۔ لان میں باوردی ملازموں کی آمد و رفت جاری تھی۔ سارے بقیہ ماندہ کام جلدی جلدی نمٹائے جا رہے تھے۔ شادی میں دن نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے۔

سعدی یوسف نے مین ڈور کے سامنے کھڑے ہو کر چند گہرے گہرے سانس لیے۔

''ایک آدمی.... مروّت میں پیشکش کرے اور میں فوراً سے پہنچ جاؤں' کیا یہ اچھا لگتا ہے؟'' ابھی جب وہ فارس سے ملا تھا تو اس نے یہ سوچا تھا۔

''اچھا لگتا ہو یا برا' میں نکل رہا ہوں۔ اب تم ادھر بیٹھ کر ٹی وی دیکھو' دیواروں سے باتیں کرو یا ہاشم سے مل آؤ' تمہاری مرضی۔'' وہ چابی اور والٹ اٹھاتے ہوئے بولا تو سعدی نے تندی سے اسے دیکھا۔

''ایسا سلوک کرتا ہے کوئی مہمان کے ساتھ؟''

''مہمان کون؟'' فارس نے سر اٹھا کر واقعی تعجب سے پوچھا۔

''چھوڑیں یار....'' وہ بددل ہوا۔ ''اچھا آپ جائیں۔ مگر.... وہ جو مجھے پہچانے ہی نہ تو؟''

''لو.... ہاشم کبھی کچھ بھولتا ہے؟'' فارس نے سر جھٹکا۔ اس کے انداز پہ سعدی نے غور سے اسے دیکھا۔

''آپ کی اپنے کزن سے نہیں بنتی کیا؟ اس دن بھی آپ نے ان سے کوئی بات نہیں کی تھی۔''

''دیکھو یار....'' فارس نے ہاتھ اٹھا کر دوٹوک کہنا شروع کیا۔ ''وہ ہوگا اچھا آدمی۔ میرا سارا ننھیال ہوگا اچھا۔ مگر وہ میرے جیسے لوگ نہیں ہیں۔ ہم تم تو ڈرائیور ہوٹل پہ ماش کی دال کھا کر میٹھی چائے پی کر وہیں چارپائی پہ لمبے لیٹ جانے والے بندے ہیں۔ مگر یہ اور طرح کے لوگ ہیں۔ ممی ڈیڈی ٹائپ۔ میں ان سے کبھی گھل مل نہیں سکا' نہ سکتا ہوں۔ اب تم جا رہے ہو یا تمہیں اندر لاک کر جاؤں؟''

اور وہ اب دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ بجایا بھی نہیں تھا مگر اندر سے جیسے اسے دیکھ لیا گیا تھا۔ دروازہ کھلا اور فلپائنی ملازمہ میری ایجیو مسکراتی ہوئی کھڑی تھی۔

''گڈ ایوننگ!''

''تھینکس.... میں آ.... ہاشم گھر پہ ہیں؟'' ماموں کے کزن کو کیا کہہ کر پکارنا چاہیے' سمجھ میں نہیں آیا۔

''اور آپ کون؟''

''میں سعدی ہوں۔ اصل میں انہوں نے کہا تھا کہ۔''

''سعدی یوسف خان' فارس صاحب کے بھانجے؟ مسٹر کاردار نے آپ کے بارے میں اطلاع کر دی تھی۔ اگر وہ نہ ہوتے تو ان کے احکام کے مطابق میں آپ کو اسٹڈی میں لے جاتی۔ لیکن چونکہ وہ ہیں اس لیے آپ ادھر آ جائیے۔''

میری نے اتنی خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے ادب سے اندر آنے کا اشارہ کیا کہ وہ واقعی حیران ہوا۔ بہرحال اس کا اعتماد بڑھا۔ وہ اندر آیا۔ نگاہیں گھما کر اونچے اور عالیشان لونگ روم کا جائزہ لیا۔ اور پھر جو کہتا ہے کہ اسے خوبصورتی متوجہ نہیں کرتی' وہ اس دنیا کا سب سے بڑا جھوٹا ہے اور متاثر تو وہ بھی ہوا (کتنا بڑا اور پیارا گھر ہے) مگر اتنا ہی کہ 'اللہ ان کو نصیب کرے۔ آمین اور بس۔

میری کے عقب میں قدم اٹھاتا وہ لاؤنج کے وسط میں آیا۔ ایک لمبے سے چیز لونگ کے کنارے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے مگ سے گھونٹ بھرتی وہ بیٹھی تھی جو یہاں کی مالکن لگتی تھی۔ سیدھے بھورے بال' گوری' نازک' ہاشم سی سیاہ آنکھیں۔ دو انگلیوں سے لاکٹ میں پرویا پتھر چھیڑتی۔ آہٹ پہ سر اٹھایا۔ مسکرائی اور سوالیہ نظروں سے میری کو دیکھا۔

''ہاشم صاحب کے مہمان ہیں یہ۔ بیٹھیے میں ان کو اطلاع کرتی ہوں۔'' وہ سیڑھیوں کے لیے مڑی تو جواہرات نے مسکراتے ہوئے

سعدی کو دیکھا۔ البتہ آنکھیں بالکل سرد تھیں۔

''میں فارس کا بھانجا ہوں' سعدی یوسف۔'' وہ ذرا سنجیدگی سے بولا۔ اپنے یہاں آنے کے فیصلے پہ پھر سے سوچا' کہیں غلطی تو نہیں کی؟

''آئی سی!'' جواہرات نے اثبات میں سر ہلایا۔ تاثرات نہیں بدلے۔

میری ابھی سیڑھیوں کے وسط میں تھی جب ہاشم کمرے سے نکلتا دکھائی دیا۔ عجلت میں کوٹ پہنتا' سعدی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے وہ زینے اترنے لگا۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم آئے ہو۔''

''آپ شاید جلدی میں ہیں ہاشم بھائی!'' بس یہی منہ سے نکلا اور یہی طے ہو گیا۔

ہاشم اتر آیا تھا۔ مسکرا کر اس کا شانہ تھپکا۔

''میں واقعی جلدی میں ہوں اور مجھے واقعی بہت ضروری کام ہے۔ مگر تمہیں میں اپنی اسٹڈی دکھانا چاہوں گا اور یہ میں اپنی خوشی کے لیے کر رہا ہوں۔'' پھر ماں کو دیکھا۔

''کیا تعارف ہو چکے؟'' اپنے سوال کا جواب خود ہی سمجھ کر ''آؤ'' کہتا اسے اوپر لے آیا۔ سیڑھیوں کے اختتام پہ پہنچ کر سعدی نے نگاہ موڑی۔

نیچے جواہرات ہنوز اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے آنے پہ خوش ہے یا غصے میں ہے' اس کے تاثرات یہ بتانے سے قاصر تھے۔ وہ سر جھٹک کر ہاشم کے پیچھے ہو لیا۔

وہ وسیع اور طویل اسٹڈی تھی۔ کتابوں کے سلائیڈنگ ریکس' ان کے پیچھے مزید ریکس' شیلف' ٹیبلز' سعدی نے ستائش سے آگے پیچھے گردن گھمائی۔

''واؤ۔ آپ تو واقعی پڑھنے والے آدمی لگتے ہیں۔'' ہاشم کا دوستانہ رویہ اس کو مزید پُراعتماد کر رہا تھا۔ اس کی بات پہ ہاشم ہنس دیا۔

''تم آج کی شام میری کتابوں کے نام کرو۔ مجھے ایک کال کرنی ہے' پھر نکلنے سے قبل میں خدا حافظ کرنے آؤں گا۔ مگر تم کھانا کھائے بغیر نہیں جاؤ گے۔''

''نہیں' اٹس اوکے' میں....'' وہ شرمندہ ہوا۔ مگر ہاشم مسکراتا ہوا پلٹ چکا تھا۔ ساتھ ہی وہ موبائل پہ نمبر بھی ڈائل کر رہا تھا۔ وہ ایسا ہی تھا۔ بہت اعتماد سے ایک ہی وقت بہت سے محاذوں کو نمٹانے والا۔

نیچے جواہرات مگ کے آخری گھونٹ بھر رہی تھی۔ سر اٹھا کر اس نے ہاشم کو اسٹڈی سے نکل کر اپنے کمرے میں جاتے دیکھا تو مگ رکھ کر کھڑی ہوئی۔ باریک ہیل سے چلتی وہ لاؤنج کے سرے پہ بنے اپنے کمرے تک آئی۔

اندر قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے اورنگزیب ٹائی کی ناٹ درست کر رہے تھے۔ ایک سوٹ میں ملبوس ملازم ان کے کوٹ کو کندھے سے ہلکا سا برش کر کے پیچھے ہو کر تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا۔

''کیا تم مجھے میرے شوہر کے ساتھ تنہا چھوڑو گے؟'' مسکرا کر کہتی جواہرات آئینے کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ ملازم سر ہلا کر فوراً سے باہر نکل گیا۔ کف لنکس اٹھاتے اورنگزیب نے ایک ناپسندیدہ نظر اس پہ ڈالی۔

''کیا ہاشم تیار ہو گیا؟''

''پہلے وہ تمہارے بھانجے کے رشتہ داروں کی خاطر مدارات تو کر لے۔ ویسے اس کام کے لیے کیا تم بہت نہیں تھے؟'' مسکراہٹ

لبوں پہ تھی مگر آنکھیں سلگ رہی تھیں۔

''فارس کے رشتہ دار جب چاہیں ادھر آ سکتے ہیں۔ اس کو اس کی ماں کا جائز حصہ میں نے کبھی نہیں دیا تمہارے لیے۔ اب اور کیا چاہتی ہو؟''

''اور انیکسی؟''

''وہ اس کے حصے سے بہت کم ہے' تم جانتی ہو۔'' تلخی سے کہتے وہ ٹائی پن لگا رہے تھے۔

''تمہارے بس میں ہوتا تو اسے اور بھی بہت کچھ دے دیتے مگر وہ خود ہی کچھ لینے میں انٹرسٹڈ نہیں۔''

''کتنا اچھا ہو اگر تم اپنی شکل مجھے کم سے کم دکھایا کرو۔'' وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ماتھے پہ بل لیے بولے تھے۔ جواہرات کی مسکراہٹ ختم ہو چکی تھی۔ بمشکل اس نے ضبط کیا۔

''میں جا رہی تھی مگر تم سے مخاطب ہونے کی تکلیف میں نے صرف اس لیے اٹھائی کہ اگر ہم تینوں جا رہے ہیں تو فارس کا رشتہ دار میرے گھر میں اکیلا کیوں ہے؟''

''کیا تمہارا دوسرا بیٹا اپنے کمرے میں اپنی ناکامی کا سوگ نہیں منا رہا؟''

وہ جو میز سے پرس اٹھانے آئی تھی' رکی۔ جھپٹ کر پرس اٹھایا اور گھوم کر اس کے سامنے آئی۔

''اسے ناکام مت کہو اورنگزیب۔ وہ اگر پہلے نمبر پہ نہیں آتا تو دوسرے نمبر سے نیچے بھی نہیں جاتا۔ اگر وہ اسٹین فورڈ یا ہارورڈ نہیں جا سکا تب بھی تین بہترین یونیورسٹیز اسے اپروو کر چکی ہیں۔ اور ایک دفعہ تم اس کا ڈی این اے ٹیسٹ کیوں نہیں کرا لیتے تاکہ تمہیں بھی معلوم ہو جائے کہ وہ تمہارا ہی بیٹا ہے اور شاید پھر تم اس کی قدر کرنا شروع کر دو۔'' شیرنی بپھر چکی تھی۔ اورنگزیب اب کالر درست کر رہے تھے۔

''وہ میرا بیٹا ہے۔ مجھے عزیز ہے۔ اس لیے جہاں اسے دیکھنا چاہتا ہوں وہ وہاں نہیں ہے۔ اچھا ہونا صرف ہاشم جیسا ہونا نہیں ہوتا۔ وہ فارس کی بہن کے بچے.... وہ مجھے زیادہ قابل لگے تھے۔''

جواہرات شعلہ بار آنکھوں سے انہیں گھورتی رہی۔ پھر تیزی سے پلٹ گئی۔ باہر آ کر اس نے مئودب کھڑی میری کو روکا۔

''فارس کے رشتہ دار کو چائے وغیرہ بھجوا دینا۔ پھر رات کا کھانا کھلائے بغیر مت جانے دینا۔ اور اس پہ نظر بھی رکھنا۔'' گہری نظروں سے گھور کر کہا۔ میری نے سر ہلایا۔

اوپر ہاشم اپنے کمرے سے نکل کر اسٹڈی میں جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

اندر سعدی ایک کرسی پہ بیٹھا کسی کتاب کے صفحے پلٹ رہا تھا۔ وہ اتنا محو تھا کہ جب ہاشم اس کے قریب آیا تو بھی نہیں ہلا۔ بس پڑھتا رہا۔ ہاشم نے گردن ترچھی کر کے کتاب کا سرورق دیکھا۔

''یہ کہاں سے نکال لی تم نے؟ میں تو اسے بھول بھی چکا تھا۔''

سعدی چونکا۔ پھر اسے دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہوا۔

''اوہ.... میرا خیال تھا آپ جا چکے ہیں۔ بلکہ آپ جائیے ہاشم بھائی۔ ورنہ مجھے لگے گا کہ میں آپ کو ڈسٹرب کر رہا ہوں۔''

ہاشم نے جواب دیے بنا کتاب اس کے ہاتھ سے لی۔ الٹی پلٹی۔ پہلے صفحے پہ قلم سے لکھا تھا۔ ''ہاشم کاردار کے نام۔ شاید کبھی ضرورت پڑے۔ فقط محمد اولیٰ۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''محمد اولیٰ اور محمد ثانی' یہ دو جڑواں بھائی تھے میرے ساتھ لاء سکول میں۔ محمد اولیٰ نے مجھے یہ کتاب دی تھی۔ وہ خود کسی ٹراما سے گزرا تھا اس کو شاید اس کتاب نے ٹھیک ہونے میں مدد کی تھی۔ واٹ ایور' مجھے تو یاد بھی نہیں ٹھیک سے۔'' وہ اس کی پشت کو پڑھنے لگا۔ ''یہ تیرھویں

صدی کے کسی مسلمان عالم کی لکھی گئی کتاب ہے۔ میں نے تب پڑھی تھی۔ اچھی تھی مگر اب بھول چکا ہوں۔ کیا تمہیں پسند آئی؟'' اس نے چہرہ اٹھا کر سعدی کو دیکھا۔

''بہت زیادہ۔ عجیب چارم ہے اس میں۔ جیسے میں شیخ کے زمانے میں واپس چلا گیا ہوں۔''

ہاشم نے کتاب میز پہ رکھی۔ جھک کر کھڑے ہوئے' قلم نکال کر پہلے صفحے پہ محمد اولیٰ کے دستخط تلے لکھا۔

"For the reading pleasure of Saadi Yousuf"

نیچے اپنے سائن کیے۔ تاریخ ڈالی اور کتاب بند کر کے اسے تھمائی۔

''پہلی دفعہ میرے پاس سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا۔''

''ارے.... تھینک یو.... مگر اس کی ضرورت نہیں تھی۔'' وہ شرمندہ ہوا۔

''ضرورت مجھے بھی نہیں تھی۔ مگر تم ذہین لڑکے ہو۔ اور میں ذہین لوگوں سے متاثر نہیں ہوتا۔ میں صرف ذہین جمع محنتی لوگوں سے متاثر ہوتا ہوں اور تم وہ بھی ہو۔ کھانا کھا کر جانا۔'' کندھا تھپک کر بالکل کسی بڑے بھائی کی طرح' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا مڑ گیا اور تیز تیز باہر نکل گیا۔

''کیا بندہ ہے۔'' سعدی نے ستائش سے سوچا تھا۔

.....❖❖❖.....

میڈم رمشہ کے آفس میں خاموشی چھائی تھی۔ میز کے دونوں سروں پہ چائے کے کپ دھرے تھے۔ میڈم کی طرف والا تو آدھا خالی تھا۔ مگر زمر کی چائے بالائی کی تہہ تلے چھپی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ وہ تنی ہوئی گردن اور اس سے زیادہ تنے ہوئے نقوش کے ساتھ سامنے بیٹھی خاتون کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟ کھل کر کہیں زمر۔'' انہوں نے بہت سکون سے کہا۔ زمر نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''میں کھل کر بات کرنے ہی آئی تھی۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے مسز رمشہ بلگرامی کہ آپ نے میرٹ پہ اسکالرشپ دینے کی بجائے ان امیدواروں کو دیے ہیں جن کے تعلیمی اداروں یا خود انہوں نے آپ کو اس کام کے لیے کمیشن دیا ہے۔ اور مجھے ایسے مت دیکھیں' کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ اور میں زمر یوسف ہوں۔ اس لیے میں کروں گی یہ کہ میں آپ کے ادارے کے خلاف ایک چارج شیٹ تیار کروں گی اور پچھلے دس سال کے ریجیکٹ ہوئے امیدواروں کو تلاش کر کے سامنے لاؤں گی جن کا حق بالکل سعدی کی طرح مارا گیا تھا۔ اور میں ان کا موازنہ ان بچوں سے کروں گی جن کو آپ نے اسکالرشپ دیے ہیں۔ اور نہ صرف یہ موازنہ میڈیا پہ آئے گا' بلکہ آپ کے اثاثوں اور بینک بیلنس کی تمام تفصیل سمیت میں کورٹ میں جاؤں گی جس کے نتیجے میں آپ کو اپنی جاب چھوڑنی پڑے گی۔ آپ کا گھر' بچے' سب متاثر ہوں گے۔ اس لیے آپ ہر اس بچے کا نام لسٹ سے خارج کریں جس کو ناجائز اسکالرشپ دیا گیا ہے۔''

وہ خاموش ہو کر پیچھے ہوئی تو میڈم رمشہ نے سر ہلایا۔ تحمل سے جیسے ایک گہری سانس خارج کی اور اسی اطمینان سے اسے دیکھا۔

''آپ نے کہہ لیا زمر؟''

''اور اب میں آپ کے کہنے کی منتظر ہوں۔'' اس کا لہجہ بے لچک تھا۔

میڈم رمشہ جھکیں۔ دراز سے ایک فائل نکالی۔ سیدھی ہو کر اس کے آگے رکھی اور بولیں۔ ''اس کے پہلے صفحے پہ سعدی کا اکیڈمک ریکارڈ اور تمام کوائف ہیں اور اگلے صفحوں پہ ان پانچ بچوں کے۔ اسے ایک نظر دیکھ لیجیے۔ اس کے بعد آپ جس کا نام کہیں گی' میں نکال کر سعدی کا ڈال دوں گی۔''

زمر نے تندی سے ان کو دیکھتے فائل اٹھائی' کھولی اور پہلا صفحہ سامنے کیا۔ سعدی کے کوائف پڑھتے گردن مزید اونچی ہوئی۔ آنکھوں میں فخر در آیا۔ ابرو اٹھا کر ان کو جتاتی نظروں سے دیکھا اور پھر نگاہیں جھکا کر صفحہ پلٹا۔

تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ وہ پڑھتی گئی۔ صفحے الٹتی گئی۔ آہستہ آہستہ نقوش ڈھیلے ہوئے' کندھے ذرا ڈھلکے بھنویں خفگی مگر پسپائی سے بھنچیں۔ فائل ختم کر کے وہ کتنی ہی دیر اس کو دیکھتی' لب کاٹتی رہی۔

''اب ان میں سے کس کا نام آپ نکلوانا چاہتی ہیں زمر؟'' انہوں نے نرمی سے پوچھا۔ زمر نے خاموشی سے ان کو دیکھا اور فائل آہستہ سے میز پہ ڈالی۔

''زمر! اپنے بچے ہم سب کو پیارے ہوتے ہیں' چاہے وہ پیارے نہ بھی ہوں۔ وہ ہم سب کو قابل لگتے ہیں' چاہے وہ قابل نہ بھی ہوں۔''

''آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ سعدی مستحق نہیں تھا؟''

''میں یہ کہہ رہی ہوں کہ کچھ بچے سعدی سے زیادہ مستحق تھے۔''

زمر نے آنکھیں بند کر کے کنپٹی مسلی۔ وہ بے حد تھکاوٹ کا شکار لگ رہی تھی۔

''آئی ایم سوری! مگر اس سے زیادہ قابل اور غریب بچے تھے وہ پانچ۔ میری جگہ آپ ہوتیں تو آپ بھی یہی فیصلہ کرتیں۔''

زمر نے بند آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔ ابھی کچھ دیر وہ آنکھیں نہیں کھولنا چاہتی تھی۔ خواب ٹوٹ چکا تھا۔ نیند کھل چکی تھی۔ مگر وہ کچھ دیر اور اسی خواب میں رہنا چاہتی تھی۔

''کیا اس نے کسی اور اسکالرشپ پروگرام میں اپلائی نہیں کیا؟''

زمر نے آنکھیں کھولیں۔ سارے خواب ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''وہ کر چکا ہے۔ وہاں بھی نہیں ملا۔''

''آئی ایم سوری!'' وہ افسوس سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اور زمر بھی ان کو دیکھتی کچھ سوچ رہی تھی۔ ذہن منتشر تھا' سوچیں بھٹک رہی تھیں مگر وہ نقطہ سامنے تھا جس پہ اسے پہنچنا تھا۔ ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔

''مسز رمشہ! کیا آپ مجھے ایک فیور دیں گی؟''

.....❖❖❖.....

کتاب ہاتھ میں لیے وہ پڑھتے پڑھتے بالکونی میں جا بیٹھا تھا۔ باہر شام ابھی ہلکی نیلی تھی۔ دور تک پھیلا سبزہ زار اور وہاں سے نظر آتی فارس کی انیکسی۔

لائبریری کی بالکونی کے دائیں طرف ہاشم کی بالکونی تھی اور اس کے مزید پرے ایک اور بالکونی۔ البتہ وہ ایک دوسرے سے جدا تھیں۔ کسی دوسری بالکونی تک جانے کے لیے آپ کو اندر سے ہی جانا پڑتا۔ سعدی اس سب سے بے خبر رہتا اگر اسے وہ آواز نہ آتی۔ ایسی آواز جیسے کوئی دم گھٹنے کی کیفیت میں کھانسنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ ہاشم کی بالکونی سے پرے ایک دوسری بالکونی کے کمرے کے کھلتے دروازے پہ وہ پہنچا تھا۔ گھٹنوں میں تقریباً سر نیہوڑائے' کھانستا' قے کرنے کی کوشش کرتا وہ کم عمر نوجوان لگتا تھا۔ نہ وہ کمرے کے اندر تھا' نہ باہر۔ نہ ہوش میں' نہ بے ہوش۔ درمیان میں تھا کہیں۔

کتاب پھینک کر وہ اندر بھاگا۔ لائبریری سے نکل کر ریلنگ کے اوپر آیا۔ بدحواسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر نیچے جواہرات کے

صوفے پہ اسی کے انداز میں میری بیٹھی مگ سے کافی پی رہی تھی۔ باقی سب سنسان پڑا تھا۔

''سنو! اوپر آؤ جلدی۔'' اس نے پکارا۔ میری گڑبڑا کر اٹھی۔ پھر سنبھل کر سیڑھیوں تک آئی۔ سعدی تب تک آگے جا کر ہاشم کے ساتھ والے کمرے کا ہینڈل گھمانے لگا تھا۔ وہ لاکڈ تھا۔

''کھانا تیار ہے۔ میں آپ کو بلانے ہی لگی تھی۔'' وہ زینہ بہ زینہ چڑھتی اوپر آئی۔

''اس کمرے میں کون ہے؟''

''آ.... یہ نوشیرواں ہیں مگر۔'' وہ اسے دروازے سے زور آزمائی کرتے دیکھ کر رک گئی۔

''اسے کھولو.... وہ ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ اب دروازے کو دھکا دے رہا تھا۔

میری کی حالت پہ غصہ غالب آنے لگا۔ وہ تیزی سے اس کے سامنے آگئی۔

''وہ آرام کر رہے ہیں اور ان کا حکم ہے کہ اس دوران اگر کسی نے ان کو تنگ کیا تو وہ بہت برے پیش آئیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ میرے ساتھ ڈائننگ ہال....''

''اگر وہ لڑکا مر گیا تو تمہارے مالک تمہاری جان لینے میں کتنے سیکنڈ لگائیں گے' ہاں؟'' وہ اس کی طرف مڑ کر اتنے غصے میں بولا کہ میری چپ ہوگئی۔

''او کے۔ میں چابی لاتی ہوں۔ یہ ایسے نہیں کھلے گا۔''

وہ اب کے ذرا تیز رفتاری سے نیچے گئی۔ اس کے واپس آنے تک سعدی مسلسل دروازے کو زور زور سے ٹھڈے مار رہا تھا۔ چابی لگی تو وہ پیچھے ہوا۔ دروازہ کھلا تو بالکونی کا منظر دوسرے زاویے سے سامنے آیا۔ چوکھٹ پہ قریباً اوندھا گرا لڑکا' منہ سے نکلتا جھاگ' حلق سے عجیب آوازیں.... سعدی تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ ''ہا'' میری کا منہ کھل گیا۔

''تم ٹھیک ہو؟ سنو! ادھر دیکھو۔'' وہ جلدی جلدی لڑکے کو سیدھا کرتا اسے جگانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی رنگت متغیر ہو رہی تھی آنکھیں کھل بند ہو رہی تھیں۔

''تم فکر مت کرو۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔ ہم تمہیں ہاسپٹل لے جا رہے ہیں۔ تم سونا نہیں۔ جاگنے کی کوشش کرو۔''

اس کا چہرہ تھپتھپاتا وہ پریشانی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ نوشیرواں نے ادھ کھلی آنکھوں سے دھندلا سا منظر دیکھا۔ اس پہ جھکا چھوٹے گھنگھریالے بال.... پریشان آواز.... اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا گیا۔

''گاڑی تیار کرواؤ اور ملازموں کو ادھر بھیجو۔ اسے اٹھانا ہے۔ دیکھ کیا رہی ہو' جلدی کرو۔'' وہ میری کو ہکا بکا کھڑے دیکھ کر چیخا تھا۔

''میں مسز کاردار....''

''ان کو بعد میں اطلاع کرنا۔ پہلے گاڑی نکلواؤ۔ جاؤ۔''

میری سٹپٹا کر باہر بھاگی۔ یہ سب اس کے لیے بہت اچانک اور غیر متوقع تھا۔

..... ❖❖❖ .....

لاؤنج میں ٹی وی مدھم آواز میں چل رہا تھا۔ بڑے ابا عینک لگائے صوفے پہ بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ زمرد نے چائے کے دو میز پہ رکھے اور خود سامنے جا بیٹھی۔ الائچی اور دار چینی کی مہک۔ انہوں نے عینک کے اوپر سے نگاہ اٹھا کر کپوں کو دیکھا اور پھر اسے۔

''مہینے کا آخر چل رہا ہے اور تم خود کماتی ہو۔ اس لیے دو تین ہزار سے اوپر مانگنے کا سوچنا بھی مت۔'' دوبارہ سے پڑھتے پڑھتے ا

دی۔

''میں کچھ اور مانگنے آئی ہوں۔'' اپنا کپ لے کر اس نے ٹیک لگائی۔ پھر گھونٹ بھرتے ہوئے بڑے ابا کو دیکھنے لگی۔

''اور اس وقت آئی ہو جب تمہاری ماں گھر پہ نہیں ہے۔ اس لیے اگر موضوع گفتگو ندرت کے رشتہ دار کی شادی میں جانا ہے تو بھی صاف انکار ہے۔''

''آپ نے نئے ایرپورٹ کے قریب جو عرصہ ہوا پلاٹ لے رکھا تھا میرے نام سے' اس کے کاغذات آپ کے پاس ہیں؟'' جتنی سنجیدگی سے اس نے پوچھا' وہ اتنا ہی چونکے۔ عینک اتاری' اخبار رکھا اور اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''کیوں نہیں ہوں گے؟ وہ پلاٹ میری ساری زندگی کی کمائی ہے۔ تمہارے اور زلفی کے نام جو تھوڑا بہت جوڑا تھا' اس میں سے زلفی نے اپنا حصہ نوکری کے دوران ہی لے لیا تھا۔ کاروبار میں بھی لگایا اس نے۔ مگر کاروبار میں تو پیشانی کا لکھا چلتا ہے۔ اس کا پیسہ کم ہوا' بڑھا نہیں۔ تمہارے حصے سے یہ پلاٹ میں نے ان وقتوں میں خریدا تھا اور اب وہ اچھا خاصا مہنگا ہو چکا ہے۔ اس کو بیچ کر میں تمہاری شادی کروں گا' اور بہت دھوم دھام سے کروں گا۔''

''مگر فی الحال تو.... میری شادی کا کوئی سلسلہ نہیں چل رہا۔''

''مگر جلد چلے گا۔ کچھ تمہاری پڑھائی' کچھ اس کم عمری میں ٹوٹی منگنی کے باعث ہم زیادہ ہی پروٹیکٹو ہو گئے تھے۔ ورنہ تمہاری شادی میں کر ہی چکا ہوتا۔ اب بھی رشتے دیکھ رہا ہوں' مگر.... زمر! تم بے وجہ ایسے ذکر نہیں چھیڑا کرتیں.... تو؟'' سوالیہ ابرو اٹھائی۔

زمر چند لمحے بالکل خاموشی سے ان کو دیکھتی رہی۔ خاموشی' دنیا کا سب سے بڑا اقرار' سب سے بڑی سزا۔

''ابا.... سعدی کو اسکالرشپ نہیں ملا۔''

وہ بالکل چپ ہو گئے۔ آنکھوں میں رنج و ملال ابھرا۔

''اناللہ.... مگر شاید کسی اور جگہ سے۔''

''اب وقت نہیں ہے۔ وہ نہیں پڑھنے جا سکتا ماسوائے اس کے....'' وہ رکی۔ ایک وقفہ دیا' مگر ابا کی آنکھوں سے نگاہ نہیں ہٹائی۔ ''کہ ہم اس کی فیس بھر دیں۔''

مگر ہم اتنی مہنگی یونیورسٹی افورڈ نہیں'' الفاظ لبوں میں ٹوٹ گئے۔ وہ ایک دم شاکڈ سے اس کو دیکھنے لگے۔ ''ایک منٹ.... تم کہہ رہی ہو کہ....''

''میں بالکل یہی کہہ رہی ہوں۔ ہم وہ پلاٹ بیچ دیتے ہیں۔''

''ہرگز نہیں۔'' شاک کی جگہ غصے نے لے لی۔ ''وہ میری ساری زندگی کی کمائی ہے۔ وہ تمہارا حق ہے۔ تمہاری شادی' زیور' سب اس سے بنے گا۔ اور بقیہ رقم تمہارا بینک بیلنس ہوگی۔ وہ تمہارا فیوچر ہے۔''

''سعدی ہمارا فیوچر ہے۔''

''پانچ سال کی پڑھائی' ہر سال کی لاکھوں روپے کی فیس.... نہیں زمر! میں یہ نہیں کر سکتا۔''

''یعنی آپ کو سعدی سے بالکل محبت نہیں ہے۔''

''مجھے ایموشنل بلیک میل مت کرو۔ یہ حربے مجھ پہ اثر نہیں کرتے۔'' وہ تلخی سے اس کی بات کاٹ کر بولے۔ ''مجھے وہ بہت پیارا ہے۔ اصل سے سود زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ مگر مجھے حنین اور اسامہ بھی پیارے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر' مجھے تم پیاری ہو۔ میں ندرت کے گھر کا آدھے سے زیادہ خرچہ اٹھاتا ہوں۔ کل کو حنین بڑی ہوگی' اور پھر تمہاری شادی جس وجہ سے ایک دفعہ ٹوٹی' وہ دوبارہ نہیں دہرا سکتا میں۔''

''میری فکر مت کریں۔''

''تمہارے کہنے سے میں فکر کرنا چھوڑ تو نہیں سکتا۔ میں باقی سب کو نظر انداز کر کے سارا پیسہ سعدی پہ خرچ نہیں کر سکتا۔''

''جب وہ پڑھ کر آئے گا تو اتنی اچھی جاب ملے گی کہ چند سال میں سب بنا لے گا۔ پھر میں بھی تو کماتی ہوں۔'' وہ بہت سکون سے کہہ رہی تھی۔

''لعنت ہے مجھ پہ اگر میں اپنی بیٹی کو پیسہ کمانے کے لیے ضائع کر دوں۔''

''اور اگر پوتا ضائع کر دیا تو؟'' وہ لمحے بھر کو چپ ہوئے مگر دلائل ختم نہیں ہوئے تھے۔

''وہ پاکستان میں بھی تو پڑھ سکتا ہے۔'' زمر بہت بیزار ہوئی۔

''ابا! یہ بات مت کیجیے گا دوبارہ۔ کسی لوکل یونیورسٹی اور یونیورسٹی آف لیڈز سے پڑھنے میں کتنا فرق ہے' ہم دونوں جانتے ہیں۔''

''وہ پیسہ ہماری سیکورٹی ہے۔''

''سعدی ہماری سیکورٹی ہے۔''

بڑے ابا نے جھنجھلاہٹ سے اسے دیکھا۔ اب کے ان کی آنکھوں میں گہرا رنج تھا۔

''زمر! مت کرو اپنے ساتھ ایسا۔ وہ پیسہ تمہارا حق ہے۔ میں تمہاری خوشیوں کا راستہ خراب کر کے سعدی کا کیریر نہیں بنا سکتا۔''

''دولت کسی شادی کی ضمانت ہوتی تو سب سے زیادہ خوش بادشاہوں کی بیٹیاں ہوتیں۔ اور پتا ہے ابا! سب سے زیادہ ناخوش شاہزادیاں ہی رہتی ہیں۔''

بڑے ابا نے تھک کر کپ اٹھایا۔ ان کی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ الائچی' دارچینی کی مہک' سب زائل ہو چکا تھا۔

''میں نہیں چاہتا کل کو تم اس بات پہ پچھتاؤ۔''

''کیا آپ کبھی مجھ پہ خرچ کر کے پچھتائے ہیں؟'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ انہوں نے نفی میں گردن کو جنبش دی۔

''کبھی بھی نہیں۔ مگر میرا دل نہیں مانتا۔ اور سعدی بھی تو نہیں مانے گا۔''

''اسے کون بتائے گا؟ میں نے میم رمشہ سے بات کر لی ہے۔ وہ یہی سمجھے گا کہ وہ اسکالرشپ پہ جا رہا ہے۔ کیونکہ اگر اسے پتا چلا کہ پیسے آپ دے رہے ہیں تو وہ کبھی نہیں لے گا۔''

''میں نہیں دے رہا' تم دینا چاہ رہی ہو۔ مگر میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ بالکل بھی نہیں۔'' وہ پھر سے مزاحمت کرنے لگے تھے۔ زمر نے آخری گھونٹ پیا۔ کپ میز پہ رکھا۔ ہاتھ گویا جھاڑ کر کھڑی ہوئی۔

''ایسا ہے یور آنر کہ بات شروع کرنے سے پہلے میں نے پوچھا تھا کہ آپ کے پاس کاغذات ہیں یا نہیں۔ تو جناب' وہ کاغذات میرے پاس ہیں۔ اور میں پراپر ٹی ڈیلر سے پہلے ہی بات کر چکی ہوں۔ اس لیے اگر آپ نے مجھے روکنے کی کوشش کی تو میں آپ پہ مقدمہ کر سکتی ہوں۔ اور کم از کم میرے حلقۂ احباب میں تو کوئی اچھا وکیل میرے خلاف آپ کا کیس لڑے گا نہیں۔ اور اگر کوئی مل بھی گیا آپ کو تو کم از کم اگلے سات سال تو میں آپ کو کورٹ کے چکر ضرور لگواؤں گی۔ اس لیے فی الحال آپ کے پاس میری بات ماننے کے سوا کوئی آپشن نہیں ہے۔''

اور بہت ملال میں گھرے بڑے ابا ہولے سے ہنس دیے' مگر پھر ملال لوٹ آیا۔ وہ چائے کے برتن اٹھا کر واپس جا رہی تھی۔ انہوں نے اسے پکارا۔

''اس سے اتنی محبت نہ کیا کرو۔ اللہ ورنہ بہت آزمائشیں ڈال دیتا ہے۔''

زمر گہری سانس لے کر پلٹی اور ان کو دیکھتے ہوئے رسان سے بولی۔

''عمر بن خطابؓ نے فرمایا تھا۔ ''محبت پہ انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔'' یہ میرے بس میں نہیں ہے ابا۔'' وہ آزردگی سے مسکرا کر

وہاں سے چلی گئی۔

وہ فکرمند اور پریشان بیٹھے رہ گئے۔ان کو آج احساس ہو رہا تھا کہ اس کی شادی میں غیر ضروری دیر کر کے انہوں نے غلطی کر دی۔ان کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔

.....❖❖❖.....

اسپتال کی مرمریں راہداری میں ہیل سے بھاگتے قدموں کی آواز پہ سعدی نے سر اٹھایا۔جواہرات اپنے شوہر کے آگے تیز تیز آ رہی تھی۔اپنے سارے میک اپ اور تیاری کے باوجود اس کا سفید پڑا پریشان چہرہ کسی سے چھپا نہیں تھا۔سعدی کے پاس وہ رکی۔متوحش نظروں سے بند دروازے کو دیکھا اور پھر اسے۔

''شیرو کیسا ہے؟''

''وہ ٹھیک ہے۔''

''ہاشم کہاں ہے؟''اورنگزیب قریب آئے۔

سعدی نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔''وہ اندر ہیں۔آپ کے چھوٹے بیٹے کو ہوش آ گیا ہے۔اس کو فوڈ پوائزننگ ہو گئی تھی۔''

اورنگزیب آگے بڑھ گئے مگر جواہرات وہیں کھڑی مضطرب سلگتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا تھا شیرو کو؟''

سعدی نے ایک نظر اورنگزیب پہ ڈالی جو کمرے کا دروازہ کھول رہے تھے۔

''میرے سوال نظر انداز نہیں کیے جاتے جو بھی نام ہے تمہارا۔''وہ دبی دبی سی غرائی تھی۔''میں اپنا اکیلا گھر تمہارے اوپر چھوڑ کر گئی تھی۔اگر میرے بیٹے کی اس حالت کے ذمہ دار تم ہو تو تم بھگتو گے۔''

''مسز کاردار! آپ کے اکیلے گھر کے ڈھائی درجن ملازمین اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ کے بیٹے کی طبیعت خراب تھی اور میں اسے صرف اسپتال لانے کا قصوروار ہوں۔''وہ شام میں اسے ملنے والے لڑکے سے زیادہ سنجیدہ اور سمجھدار لگ رہا تھا۔مگر جواہرات کے تنے تاثرات ہنوز ویسے ہی تھے۔

''کس قسم کی چیز سے فوڈ پوائزننگ ہوئی اسے؟''وہ مشتبہ غصے بھری نظروں سے اسے دیکھتے پھر سے غرّائی۔''اس نے دوپہر کو وہی کھایا جو ہم سب نے کھایا تھا۔''

''اسے فوڈ پوائزننگ نہیں ہوئی۔''

جواہرات کی آنکھیں تحیّر سے پھیلیں۔''کیا مطلب؟تم نے ابھی کہا....''

''میں نہیں چاہتا تھا کہ کاردار صاحب کو یہ بات اس سے پہلی دفعہ ملنے سے پہلے پتا چلے۔''جیب سے ایک پیکٹ نکال کر اس کے سامنے کیا۔''یہ ڈرگز مجھے اس کے پاس سے ملی تھیں اور خالی سگریٹ بھی۔آپ کے بیٹے نے منشیات کی اوورڈوز لے لی تھی جس سے اس کی جان بھی جا سکتی تھی۔''

جواہرات کی حالت یوں ہو گئی جیسے سانپ نے ڈنک مار دیا ہو۔سفید چہرے اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس نے سعدی کے چہرے سے ہاتھ میں پکڑے پیکٹ تک کا سفر کیا۔

''تم....تم یہ کہہ رہے ہو کہ میرا بیٹا....ایڈکٹ ہے؟''

''صرف میں نہیں ڈاکٹر نے بھی یہی بتایا ہے۔یقیناً وہ کچھ عرصے سے ڈرگز لے رہا تھا۔''

جواہرات نے بولنے کی کوشش کی مگر سارے الفاظ حلق میں کانٹے بن کر اٹک گئے۔ اس کا اندر باہر زخمی ہو گیا۔ آنکھوں میں نمی اتری مگر وہ بے چینی سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''میرا بیٹا.... وہ چوبیس گھنٹے میرے سامنے رہتا ہے۔ مجھے کبھی کیوں نہیں لگا کہ وہ ڈرگز لیتا ہے؟''

''آج کل کے لڑکوں کو پتا ہوتا ہے کہ انہیں کتنی مقدار لینی ہے۔ اور بہت مہارت سے وہ یہ فن سیکھ جاتے ہیں کہ انہیں لوگوں کے درمیان ہوتے ہوئے بھی خود کو نارمل کیسے ظاہر کرنا ہے۔ اور پھر ساتھ بیٹھے شخص کو بھی علم نہیں ہو سکتا کہ یہ لڑکا منشیات کے زیر اثر بیٹھا ہے۔ یہ بھی ڈاکٹر نے کہا ہے۔''

جواہرات نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ تنے تاثرات ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ کندھے بھی ڈھلک چکے تھے۔

''مگر وہ زندہ ہے مسز کاردار! اور زندگی سے اہم کوئی نعمت نہیں ہوتی۔ اس کو محبت سے سمجھایئے گا۔ وہ پلٹ آئے گا۔ آپ نے سنا تو ہوگا کہ amor vincit omnia (محبت فاتح عالم) مجھے گھر جانا ہے' چلتا ہوں۔'' وہ کہہ کر مڑنے لگا تو جواہرات تیزی سے اس کی طرف گھومی۔

''کیا تم.... اس سے ملو گے نہیں؟''

''اس کی فیملی اس کے پاس ہے اور میری فیملی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔''

وہ ذرا سا مسکرا کر کہتا پلٹ گیا۔ جواہرات یک ٹک اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔ جب وہ نظروں سے غائب ہو گیا تو وہ تیزی سے پرائیویٹ روم کے دروازے تک آئی۔

.....❖❖❖.....

شام کا آسمان ہلکا سرمئی تھا۔ سورج نے بادلوں کے نارنجی کناروں کو دہکا رکھا تھا اور لائبریری کی کھڑکی اس منظر کو واضح دکھا رہی تھی۔ اندر ایک کونے میں لمبی میز بچھی تھی۔ ایک سرے پہ تین لڑکیاں بیٹھی کتابوں میں مگن تھیں۔ دوسرے سرے پہ دو متصل کرسیوں پہ وہ دونوں بیٹھے تھے۔ زمر سر جھکائے گردن ترچھی کیے کاغذ پہ کچھ لکھ رہی تھی اور فارس قریب بیٹھا بور سا ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

''چلیں یہ ٹاپک تو ختم ہوا۔ سب کلیئر تھا نا؟'' آخری لفظ لکھ کر صفحہ اس کے سامنے کرتے ادھر زمر نے سر اٹھایا' ادھر فارس نے فوراً سنجیدہ (اور سیدھے) ہوتے بہت توجہ سے اس کاغذ کو پڑھا۔

''جی بالکل!''

''اوکے۔ اب آگے چلتے ہیں۔'' وہ نوٹس کے صفحے پلٹ کر اگلے موضوع پہ آئی۔ پھر قلم والے ہاتھ کو عادتاً ہلاتی روانی سے سمجھانے لگی۔ فارس نوٹس کو دیکھتا ذرا ذرا دیر بعد سر اثبات میں ہلا دیتا۔ براہ راست اس کے چہرے پہ صرف دو ایک بار نگاہ ڈال سکا' پھر سر جھکا لیا۔

زمر کا فون بجا تو وہ رکی۔ نمبر دیکھا اور موبائل کان سے لگایا۔

''جی سر! میں نے ہی وہ شیٹ آپ کو بھجوائی تھی۔'' وہ رک کر سننے لگی۔ ''جی بالکل' میں نے تمام اسٹوڈنٹس کی حاضری درج کی ہے سوائے حبیبہ وقار کے۔ میں نے دانستہ طور پہ اس کا خانہ خالی چھوڑا ہے۔'' وہ گھنگھریالی لٹ کو انگلی پہ رول کرتی کہہ رہی تھی۔ فارس نے ترچھی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

''سر! صاف بات ہے' امتحان میں بیٹھنے کے لیے ساٹھ فیصد حاضری ضروری ہے اور اس بچی کی حاضری چالیس فیصد ہے۔ مگر چونکہ وہ ڈاکٹر طاہر اکرم کی بھانجی ہے' اس لیے ڈاکٹر صاحب نے مجھے کال کر کے اس چالیس کو ساٹھ بنانے کا کہا ہے۔ سو میں نے یہ خانہ خالی چھوڑ دیا ہے کیونکہ میرا قلم تو اس کو ساٹھ نہیں کرے گا۔ آگے آپ کی مرضی۔ آپ اس کو ساٹھ کریں یا نوے۔ میں بری الذمہ ہوں۔''

سادگی سے ساری بات کہہ کر وہ ان کی سننے لگی۔ پھر الوداعی کلمات کہہ کر فون رکھا اور کتاب کی طرف متوجہ ہوئی۔

''خیریت میم؟''

زمر نے جھکے چہرے کے ساتھ ذرا مسکرا کر سر جھٹکا۔ ''ہوں۔ یہ سب تو چلتا رہتا ہے۔ کوئی بھی نوکری پھولوں کی سیج نہیں ہوتی۔'' وہ اثبات دوبارہ کھولنے لگی۔ فارس نے اب کے ذرا غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' زمر نے سوالیہ نظریں اٹھائیں تو وہ کندھے ذرا اچکا کر ٹھوڑی سے شیو انگلی اور انگوٹھے میں عادتاً ذرا ذرا کھینچتا بولا۔

''یونہی خیال آ گیا۔ اس دن جو آپ نے کیا سعدی کے گھر.... جان کر چابیاں بھولنا....''

زمر کے لیے یہ جملہ غیر متوقع تھا۔ وہ لمحہ بھر کو بالکل دھک سے رہ گئی۔ پھر چہرے پہ سرخی سمٹ آئی۔ سر جھٹک کر اس نے کچھ کہنا چاہا' لب وا ہی رک گئی۔ چند ثانیے خاموشی میں گزر گئے۔ اگر وہ جان چکا تھا تو یہ زمر کی عادت نہیں تھی کہ وہ انکار کرتی۔

''مجھے نہیں پتا آپ کو سعدی کتنا عزیز ہے' مگر ہمارے لیے وہ خاندان کا پہلا بچہ تھا۔ اور بچے برابر پیارے ہوتے ہیں مگر جو توجہ پہلے ملتی ہے' وہ دوسروں کے آنے تک ہم اس مقدار میں دینے سے قاصر ہو چکے ہوتے ہیں۔ اسامہ چھوٹا ہے مگر حنین.... وہ میرے ہر وقت ''ہمارا سعدی ہمارا سعدی'' کرتے رہنے سے مجھ سے کافی shy (شرمائی) رہنے لگی ہے۔ عرصہ پہلے میں واقعی کچھ بھول گئی تھی ایک دو دن لیکن بعد میں مجھے پتا چلا کہ وہ ہر دفعہ کھڑکی میں میرا انتظار کرنے لگی ہے۔ وہ بہت ذہین ہے اور دنیا ذہین لوگوں کو تنہا کر دیتی ہے۔ اسے مجھ سے امید ہوتی ہے کہ میں اسے تنہا نہیں چھوڑوں گی' سو میں خود اسے ہر دفعہ یہ امید نئے سرے سے تھما آتی ہوں۔''

قدرے توقف سے وہ سنجیدگی سے بولی۔

''ہو سکتا ہے آپ کو یہ غلط لگے۔ مگر میرے نزدیک کسی عزیز شخص کو اپنے قریب رکھنے کے لیے کوئی بہانہ کرنے میں کوئی برائی نہیں۔''

فارس نے بے اختیار ان تازہ فوٹو کاپی شدہ نوٹس کو دیکھا اور پھر زمر کو۔ ''بالکل! میرے نزدیک بھی نہیں۔''

وہ اسی سنجیدگی سے ادھورا چھوڑا موضوع واپس کھولنے لگی۔ قدرے توقف کے بعد فارس ذرا کھنکھارا۔

''بتانے کا شکریہ۔ حنین کو نہیں بتاؤں گا۔ سیریسلی۔''

زمر نے صرف ایک کڑی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مجھے اس بات کی بالکل فکر نہیں۔ کیونکہ اتنا تو آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ میرا اعتبار توڑ کر آپ کبھی بھی بچ نہیں سکتے۔'' پھر نوٹس اس کے سامنے رکھے اور سلسلۂ کلام وہیں سے جوڑ لیا جہاں سے توڑا تھا۔

فارس اپنے چہرے پہ زمانے بھر کی بوریت سجائے خاموشی سے سنتا رہا۔

.....❖❖❖.....

مسز رمشہ کے آفس میں ایک دفعہ پھر چائے کے دو کپ میز کے مخالف کناروں پہ رکھے تھے۔ اس دفعہ سعدی کی طرف والا کپ خالی تھا اور مسز رمشہ کا ان چھوا۔ وہ ساری بات سعدی کو بتا کر اب بالکل خاموشی سے اس کا ردعمل دیکھ رہی تھیں۔

وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''آپ یہ کہہ رہی ہیں میم کہ آپ نے میرے ڈاکومنٹس ایک پرائیویٹ اسپانسر کو بھجوائے ہیں اور انہوں نے مجھے اسپانسر کرنے کی ہامی بھر لی ہے؟ اور وہ ہر سال میری فیس جمع کرواتے رہیں گے؟'' وہ واقعی بے یقین تھا۔

''فیس جمع اخراجات۔ جتنی رقم ہم دے رہے تھے' وہی رقم وہ دیں گے۔''

''آ.... تھینک یو.... مجھے نہیں پتا مجھے کیا کہنا چاہیے۔'' وہ خوش تھا اور خوشی اتنی تھی کہ اس میں ٹھیک سے کوئی تاثر بھی نہیں دے پا رہا

تھا۔ ''مگر وہ ہیں کون؟''

میڈم نے خاموشی سے سامنے رکھے ڈیکور باسکٹ میں سے ایک کرسٹل بال نکالی اور اسے انگلیوں میں گھماتے ہوئے نظریں سعدی کے چہرے سے ہٹائے بنا بولیں۔

''ہے کوئی جس کا دل بہت امیر ہے اور آپ پہ خرچ کرنے کو پیسہ بھی بہت ہے۔'' پھر ذرا سنبھل کر گویا ہوئیں۔ ''ایک چیریٹی بزنس مین ہیں۔ بہت سے اسٹوڈنٹس کو پرائیویٹ طور پر اسپانسر کرتے ہیں۔ آپ کے کوائف ان کو اچھے لگے اور سب سے اچھی بات یہ لگی کہ آپ نے ترجیحات میں اپنے خاندان کو پہلے نمبر پہ رکھا۔''

''جی مگر' کیا میں ان کے بارے میں کچھ جان سکتا ہوں؟ مطلب اگر میں ان سے ملنا چاہوں تو....''

کرسٹل بال گھماتے ان کے ہاتھ رکے۔ وہ نفی میں سر ہلاتی پیچھے ہو کر بیٹھیں۔

''بالکل بھی نہیں سعدی! میرے کچھ اصول ہیں۔ میں اسپانسر کی کوئی تفصیل آپ کو فراہم نہیں کر سکتی۔''

''اگر میں اصرار کروں تو بھی نہیں؟ میں صرف ان کا شکریہ....''

''کچھ سوالوں کے جواب جاننا ضروری نہیں ہوتا۔ میں آپ کا شکریہ پہنچا دوں گی ان تک۔''

''اچھا....'' وہ اداس ہوا۔ ''آپ میری زمر پھپھو کو جانتی ہیں نا؟ آپ نے ان کو بتایا یہ سب؟''

ذرا پُرجوش ہو کر وہ آگے ہوا۔ میڈم نے جواب دینے سے پہلے بہت دیر تک اس کا متمنا چہرہ دیکھا۔

''کیا آپ چاہتے ہو کہ میں ان کو ابھی خبر کر دوں؟''

''نہیں نہیں۔ پلیز آپ مت بتایئے گا۔ میں خود ان کو سرپرائز دوں گا۔ تھینک یو سو مچ۔ میں چلتا ہوں۔'' جلدی جلدی اجازت مانگتا، شکریہ ادا کرتا دوبارہ آنے کا کہتا وہ دروازے کی طرف لپکا۔

''سعدی! آپ کی پھپھو آپ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ ان کے لیے کبھی کوئی قربانی دینی پڑے تو پیچھے مت ہٹنا۔'' وہ جاتے جاتے مڑا۔

''جی بالکل۔ اچھا آپ مت بتایئے گا۔ میں خود بتاؤں گا۔'' اور وہ باہر تھا۔ میڈم نے سر جھٹک کر گہری سانس اندر اتاری اور سوچا محبت ایک بہت سادہ اور بہت پیچیدہ شے ہے۔

.....❖❖❖.....

حنین سعدی کے ساتھ آئی تھی۔ اور جتنی دیر وہ مسلسل جوش سے بولتا' دادی اور پھپھو کو اپنے اسکالرشپ کی تفصیل بتاتا رہا' حنین اس کیک کے تین ٹکڑے کھا چکی تھی جو سعدی نے راستے سے لیا تھا۔

''یعنی کہ تمہاری ساری پڑھائی مفت؟ اور اخراجات بھی؟ واہ بھئی۔ یہ تو کمال ہو گیا۔''

بڑی امی بہت خوش تھیں۔ بار بار سعدی کے سر اور کندھے پہ ہاتھ پھیر کر کہتیں۔ پھر فوراً اضافہ کرتیں۔

''ندرت سے امید نہیں تھی کہ بچوں کو پڑھا پائے گی۔ اصل میں تمہارا باپ بہت لائق تھا۔ تم اور حنہ اسی پہ گئے ہو۔''

اور سعدی اور حنہ کے لیے یہ باتیں بے اثر تھیں۔ بڑی امی کے پاس ایک پوری فہرست تھی کہ فلاں صدی میں فلاں کے گھر ندرت نے مجھے یوں اور یوں کہا اور ندرت کے پاس بھی ایسی ہی ایک چارج شیٹ ہمہ وقت تیار رہتی تھی۔ اور ان دونوں کی غیر موجودگی میں سعدی کو کرتا تھا۔

''ہر شخص کو اپنا کام کرنا چاہیے۔ اللہ نے مرد کو دوکان اس لیے دیے کہ ایک سے سن کر دوسرے سے نکال دے۔ اور عورتوں کو دوام

لے ایے تاکہ دونوں سے سن کر منہ سے نکالیں۔''

اور زمر خاموشی سے مسکراتی ٹیک لگا کر بیٹھی اسے سن رہی تھی جو تب سے بولے جا رہا تھا۔

''میم نے مجھے ان کا نام تک نہیں بتایا۔ میرا بہت دل تھا کہ میں ان سے ایک دفعہ مل کر ان کا شکریہ ہی ادا کر سکوں۔'' وہ یاد کر کے پھر سے اداس ہوا۔ حنین نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اس نے آگے ہو کر چوتھا ٹکڑا نکالا' پیچھے ہوئی اور پوری دل جمعی سے کھانے لگی۔

''زمر!'' سعدی لحظہ بھر کو چونکا۔ ''آپ تو میڈم کو جانتی ہیں نا؟ آپ ان سے پتا کروا دیں نا کہ مجھے اسپانسر کس نے کیا ہے؟''

زمر ہنوز مسکرا رہی تھی۔ مطمئن اور پُرسکون۔ سعدی کی بات پہ چند لمحے کے وقفے سے وہ بولی۔

''ٹھیک ہے' میں پتا کروا دوں گی۔ اگر انہوں نے نہ بتایا تو میرے اتنے ذرائع ہیں کہ میں وہ نام ڈھونڈ لوں گی' لیکن....'' وہ لحظہ بھر کو رکی۔ ''سعدی! احسان کا بدلہ کیا احسان کے سوا بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ اگر تم جاننا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے' مگر تمہیں نہیں لگتا کہ اگر کوئی تم پہ پیسہ لگا رہا ہے اور بدلے میں صرف اس کی اتنی خواہش ہے کہ وہ بے شناخت رہے تو تمہیں اس خواہش کا احترام کرنا چاہیے؟''

سعدی کے لب ''اوہ'' میں سکڑے۔ حنین نے اب پانچواں ٹکڑا اٹھایا۔

''یہ تو.... میں نے سوچا ہی نہیں۔''

''ہاں زمر ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس آدمی کے پاس ہوگا فالتو کا پیسہ۔ یہ نہ ہو کہ تمہارے ایسے قدم سے ناراض ہو کر فیس دینے سے انکار کر دے۔'' بڑی امی بہت سمجھداری سے کہنے لگیں۔ زمر کی مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی۔ سعدی نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔ پھر یاد آنے پہ پوچھا۔

''سچ' جب ہم داخل ہوئے تو وہ کھوکھر صاحب باہر نکل رہے تھے۔ یہ وہ پراپرٹی ڈیلر ہیں نا جن کے پاس آپ نے مجھے بھیجا تھا جب ہم گھر بدلنے کا سوچ رہے تھے؟''

زمر کی مسکراہٹ صرف لمحے بھر کو ہلکی ہوئی۔ پھر وہ دوبارہ مسکرا دی۔ بڑی امی نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

''ہاں۔ ان کی جائیداد کا کیس میں ڈیل کر رہی تھی۔ اصل میں ان کی بہو کی اپنی ساس سے بالکل نہیں بنتی' تبھی بیٹا حصہ مانگ رہا ہے۔ میرا تو خیال ہے وہ بہو کافی سمجھدار لڑکی ہے اور سارا قصور ساس کا ہی ہوگا' مگر....'' کن اکھیوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے وہ سانس لینے کو رکی' کہ بڑی امی کافی جوش میں آگے ہو کر کہنے لگیں۔

''کیوں؟ تمہیں کیا پتا وہ ساس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے جب....''

''چھوڑیں نا۔ ہمیں کیا بڑی امی! آیئے کیک کھاتے ہیں۔'' سعدی جلدی جلدی کہتا میز کی طرف رخ موڑ کر بیٹھا تو....

کیک نفاست سے کٹا آدھا بچا تھا اور دوسری طرف صوفے پہ حنین یوسف بالکل صاف ہاتھ منہ کے ساتھ ہتھیلی پہ ٹھوڑی جمائے علامہ اقبال کی طرح خلا میں گھور رہی تھی۔ سعدی نے اسے گھورا اور زمر نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ وہ سعدی کو نظر انداز کر کے زمر کو دیکھ کر شرمیلا سا مسکرائی۔

''میرا اندازہ تھا کہ آج تم لوگ آؤ گے۔ اس لیے میں نے بہاری کباب بھی منگوا لیے تھے۔ پہلے وہ کھاتے ہیں پھر کیک۔''

زمر کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ حنین کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ سعدی بس سر جھٹک کر رہ گیا۔ وہ اس نامعلوم شخص کی وجہ سے اتنا ملول تھا کہ گھر جا کر امی کو حنین کا بتانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اور چوکھٹ میں ذرا اوٹ میں کھڑے بڑے ابا نے تاسف اور فکرمندی سے زمر کے چہرے کو دیکھا جو بہت طمانیت سے مسکراتی کچن کی طرف جا رہی تھی۔ وہاں کوئی پچھتاوا' کوئی ملال نہیں تھا۔ ملال تو ان کے دل میں بھی نہیں تھا' مگر ذہن میں پریشانی ضرور تھی۔

سعدی اب بڑی امی سے پوچھ رہا تھا کہ وہ اس کے ماموں کے کزن کی شادی میں آئیں گی یا نہیں؟ اور بڑے ابا گہری سانس لیتے اندر چلے آئے۔ ابھی انہیں سعدی کا سرپرائز پہلی دفعہ سن کر اس پہ پہلا تاثر دینا تھا۔

❖❖❖

کاردار خاندان کا قصر موسم گرما میں بھی بہار کے پھولوں سے سجا تھا۔ ولیمہ کی دعوت کا تھیم ''پھول'' تھے اور وہ جگہ جگہ بکھیرے گئے تھے۔ لان میں مستطیل میزوں کے گرد صوفے تھے اور مہمان کہیں بیٹھے' کہیں چل پھر رہے تھے۔ ان سب میں مرکزِ نگاہ وہ جوڑا تھا جس کے اعزاز میں وہ سب جمع تھے۔ ہاشم کا سوٹ سیاہ تھا اور شہرین کا گاؤن موتی جیسا سفید۔ سر پہ باریک کامدار دوپٹا کندھوں کے پیچھے گرتا تھا اور وہ ہاشم کی کہنی کو تھامے ہنستی ہوئی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ کافی دیر سے وہ دونوں آگے پیچھے مہمانوں میں گھوم رہے تھے۔ ان کو دیکھتی نگاہوں میں حسد' رقابت' خوشی' خلوص' غرض ہر طرح کے لوگوں کا ہر طرح کا جذبہ موجود تھا۔ صرف ایک شخص کی نگاہ مختلف تھی۔

سعدی اور حنین کی میز پہ موجود وارث بہت خاموش اور تیکھی نظروں سے ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خود فارس سے ذرا بڑا' صاف رنگت اور گلاسز والا خوش شکل سا مرد تھا۔ اس کے انداز میں اس خاندان کے لیے قدرے ناپسندیدگی تھی اور وہ شاید صرف فارس کے مدعو کرنے پہ آیا تھا۔

''خالہ اور بچوں کے بغیر کیسی گزر رہی ہے ماموں؟'' ساتھ بیٹھے سعدی نے مخاطب کیا تو وارث نے ہاشم سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا۔ سعدی اپنے اکلوتے سوٹ میں جو اس پہ ذرا کھلا تھا' بڑا بڑا لگ رہا تھا۔

''بس اب تو صرف تین سال رہ گئے ہیں۔'' وہ دھیما سا مسکرایا۔

''آپ ہماری پارٹی میں کیوں نہیں آئے؟'' سامنے ہتھیلی پہ ٹھوڑی گرائے بور سی بیٹھی حنین نے ناراضی سے پوچھا۔

''کیا اس کٹو بیگم کو کھانے کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا سعدی؟''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔'' انگریزی فلموں کے سارے بااعتماد اور ترنت جواب حنین کو یاد تھے۔

''میں مصروف تھا۔ اور پھر جس پارٹی پہ تم لوگ اپنی پھپھو کو بلاتے ہو اس پہ میرا آنا نہیں بنتا۔ اچھا نہیں لگتا۔''

''اچھا۔'' حنین چپ ہو گئی۔ پھر بور سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ تب ہی وہ اپنی دلہن کے ہمراہ ان کی میز تک آیا۔ وہ تینوں اس کے لیے کھڑے ہو گئے۔

''بس.... باقی سب کہاں ہیں؟'' ہاشم نے شہرین سے تعارف کروا کر حیرت سے سعدی کو دیکھ کر پوچھا۔

''سیم کو بخار تھا تو امی اس کے پاس رک گئیں۔ بڑے ابا کی فیملی کو کہیں اور جانا تھا اور فارس ماموں....'' کہتے ہوئے سعدی نے لان کے داخلی چیک پوائنٹ کو دیکھا۔ ''وہ دعوت کے شروع میں تھے۔ مگر پھر وہ ایوننگ کلاس کے لیے چلے گئے۔''

(جبکہ فارس نے بس سرسری سا پوچھا تھا' تمہارے دادا کی فیملی نہیں آئے گی؟ سعدی نے بتایا ''نہیں'' تو وہ بس دس منٹ رکا اور پھر اٹھ گیا۔ وارث بھی زیادہ دیر نہیں بیٹھنا چاہتا تھا' مگر سعدی اور حنین کی وجہ سے وہ پابند ہو کر رہ گیا تھا۔)

''اس دن کے لیے دوبارہ شکریہ۔'' اس نے پھر سے سعدی کا کندھا تھپک کر کہا تو وہ شرمندہ ہو گیا اور بات بدلنے کو ماموں کی طرف مڑا۔

''میں اس دن جو سارا خالہ کے بارے میں بتا رہا تھا' وہ ان کی وائف ہیں۔''

''میں جانتا ہوں۔'' ہاشم نے مسکرا کر سر ہلایا۔ شہرین پلٹ کر کسی اور سے باتیں کرنے میں محو تھی۔ ''اور وارث! کیا کر رہے ہو آج کل؟''

جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے وارث نے ذرا سے کندھے اچکائے۔

''کچھ گڑے مردے اکھاڑنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

ہاشم نے مسکراتے ہوئے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔''میری مدد کی ضرورت ہو تو بتانا۔''

''ہوں....ضرور بتاؤں گا۔''

ہاشم مسکرا کر جانے کو مڑا' پھر حنہ کو دیکھ کر رکا۔

''میں نے اتنا shaky کیمرہ ورک آج تک نہیں دیکھا۔''اس کی تعریف کر کے وہ پلٹ گیا تو حنین نے شانے جھٹکے۔

''پتا نہیں پہلی دفعہ میں کوئی میرا یقین کیوں نہیں کرتا۔''

''کیا شاندار بندے ہیں یہ ہاشم بھائی۔''واپس بیٹھتے ہوئے سعدی نے بہت فخر سے کہا تو وارث نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تمہیں معلوم بھی ہے کہ یہ کون ہے؟''

''جی یہ بہت اچھے وکیل ہیں۔''

''بہت اچھے دفاعی وکیل ہیں' وہ بھی کرمنلز کے۔اور کرمنل کے دفاعی شخص کو میں کرمنل سے الگ نہیں سمجھتا۔''

''ماموں!''سعدی بہت سنجیدگی سے اس کی طرف مڑا۔''ہوسکتا ہے آپ ان کو پسند نہ کرتے ہوں اور شاید ان کی عزت بھی نہ کرتے ہوں۔اور ہوسکتا ہے ان کی کمپنی کرپشن میں بھی ملوث ہو' مگر اس سب کے باوجود ہم ان کو کرمنل نہیں کہہ سکتے۔میں ان کو جانتا ہوں۔وہ بہت اچھے ہیں۔''

وارث چپ ہو گیا۔اگر سعدی کو پتا چل جائے کہ وہ ہاشم کو اتنا نہیں جانتا تو....؟

میری اینجیو مسکراتے ہوئے آئی اور سعدی کے کان کے قریب جھکی۔

''مسز کاردار آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔''

وہ چونکا۔پھر ان سب سے معذرت کرتا اٹھ آیا۔

باہر نیلی شام میں سیاہی گھلنے لگی تھی مگر اندر روشنیوں کا سورج جوبن پہ تھا۔پھول ہی پھول' روشنی ہی روشنی۔لاؤنج میں رک کر سعدی نے گردن اٹھائی۔سیڑھیوں سے اوپر ہاشم کے کمرے کے سامنے ریلنگ پہ کہنی ٹکائے دوسرے ہاتھ میں نیکلس کا موتی گھماتی وہ کسی ملکہ کی شان سے کھڑی تھی۔سرخ لمبا گاؤن' سرخ لپ اسٹک کے ساتھ' آنکھوں میں گہرا کاجل اور گہرا اضطراب تھا۔

سعدی قدم قدم چڑھتا اوپر آیا۔بالکل جواہرات کے مقابل۔

''آپ کا چھوٹا بیٹا کیسا ہے؟''سعدی نے کھنکھار کر بات کا آغاز کیا۔جواہرات مضطرب سی' مسکرانے کی سعی کی مگر آنکھوں میں نمی آ گئی۔

''وہ تیار ہے۔کمرے میں ہے۔بھائی کے لیے دعوت میں شامل ہو بھی جائے گا مگر....خوش نہیں ہوگا۔''مسکراتے ہوئے سر جھٹکنے میں ضبط سے آنکھیں گلابی ہوتی گئیں۔سعدی نے پتلیاں سکیڑ کر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''یعنی....کاردار صاحب کو علم ہو گیا؟''جواہرات نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اورنگزیب نے اسے بہت جھڑکا ہے۔وہ اپ سیٹ ہے۔''

''آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں مسز کاردار؟''وہ نرمی سے بولا۔

''ہر پریشانی میں ایک ہی خیال ہوتا ہے' ہاشم سنبھال لے گا۔مگر آج ہاشم کا بڑا دن خراب نہیں کر سکتی' ورنہ سنبھال تو وہ اب بھی لیتا۔''

اس نے نرمی سے سعدی کی کہنی پہ ہاتھ رکھا۔ ''کیا تم کچھ کر سکتے ہو؟''

سعدی نے گردن موڑ کر شیرو کے کمرے کو دیکھا۔

''مجھے کوشش کرنے دیں۔'' اس نے دروازے پہ دستک دی۔ جواہرات ایک طرف ہٹ گئی۔ سعدی نے دروازہ دھکیلا۔

بیڈ کے کنارے وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سوٹ' جوتے' ٹائی' سب تیار تھا' مگر خود بجھا بجھا سا تھا۔ سعدی کو دیکھ کر وہ پھیکا سا مسکرایا۔

''میں سعدی.... فارس کا....''

''آئی نو.... بھائی نے بتایا تھا۔ آؤ۔''

سعدی چند قدم اندر آیا۔ دروازہ واپس دھکیلا تو وہ چوکھٹ سے تین انچ کے فاصلے پہ جا ٹھہرا۔ باہر کھڑی جواہرات کی مضطرب سماعتیں وہیں لگی تھیں۔

''کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' وہ سامنے کھڑے کھڑے احتیاط سے پوچھنے لگا۔ شیرو نے سر جھٹکا۔

''بتایا تھا ممی نے کہ تم نے مجھے بچانے کی کوشش کی تھی۔ تھینکس۔ مگر کاردار صاحب کو علم ہو گیا۔''

''میں نے تمہیں بچانے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ وہ فکرمند تھے۔ میں نے ان کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہا تھا۔'' جواہرات نے چونک کر دروازے کو دیکھا۔ شیرو بھی چونکا تھا۔

''وہ میرے لیے.... کبھی پریشان نہیں ہو سکتے۔'' پھر رکا۔ ''کیا وہ واقعی پریشان تھے؟''

''بہت زیادہ۔ اس لیے تمہیں نیچے جا کر ان کو ان کے بیٹے کی شادی کی مبارک باد دینی چاہیے۔''

نوشیرواں کے ماتھے پہ بل پڑے۔ آنکھوں میں خفگی در آئی۔ ''کیا تمہیں لگتا ہے وہ مجھے معاف کر دیں گے؟'' آواز بلند ہونے لگی۔ ''میں ہارورڈ نہیں جا سکا۔ کولمبیا نہیں جا سکا۔ میں ان کے آفس میں دلچسپی بھی نہیں رکھتا۔ میں ڈرگز لینے لگ گیا تھا' اور اس روز ڈرگز کے باعث میں نے خود کو اسپتال پہنچا دیا۔ ان کو اتنا مایوس کیا خود سے۔ اس سب کے بعد وہ مجھے کیا سمجھتے ہوں گے؟''

''صرف اپنا بیٹا۔''

وہ جو غصے سے بولے جا رہا تھا' جھٹکا کھا کر رکا۔ تنے تاثر ڈھیلے پڑے۔ یک ٹک سعدی کو دیکھے گیا۔

''اور معافی' شکریہ اور اظہار محبت' ان تین چیزوں کی خون کے رشتوں میں کبھی ضرورت نہیں ہوتی۔ صرف رویہ درست کرنا ہوتا ہے اور سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔''

''اور.... اور اگر انہوں نے مجھے ڈانٹ دیا؟'' وہ اندر سے ڈرا ہوا تھا۔

''میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں نوشیرواں!'' سعدی نے سر جھکائے جوتے سے لکڑی کا فرش مسلتے کہنا شروع کیا۔

''میں ایک لڑکے کو جانتا ہوں جس کا باپ اسکول ٹیچر تھا۔ تنخواہ کم تھی اور گزارہ مشکل سے ہوتا۔ مگر وہ لڑکا کبھی بھی اپنے باپ کے سامنے خواہشات کی فہرست نہیں رکھتا تھا۔ اسکول لے جانے کو پیسے بھی نہ مانگتا۔ مگر جب وہ تیرہ سال کا تھا تو اسکول فنکشن کے لیے اسے نئے جوتوں کی ضرورت پڑی۔ بلکہ ضرورت نہیں' صرف خواہش تھی۔ کیونکہ اس کے دوستوں نے نئے جوتوں کی نمائش کی تھی' وہ جن میں رنگ برنگی لائٹیں لگی ہوتی ہیں۔ اس روز اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اسے بھی وہی جوتے چاہئیں۔ باپ کچھ دیر کو چپ ہوا تو وہ سمجھا کہ باپ نہیں لے کر دے گا۔ وہ باپ سے ناراض ہو گیا۔ اس نے باپ سے بات کرنا بھی ترک کر دی۔ رات اس کے سرہانے اس کا باپ آیا اور کہا کہ وہ اسے کل جوتے لا دے گا۔ بالکل وہی جوتے۔ مگر وہ لڑکا ناراض رہا اور آنکھیں بند کر کے سوتا بن گیا۔

صبح اس کا باپ اسکول سے جلدی چھٹی لے کر جوتوں کی اس مہنگی دکان پہ گیا۔ جانے کہاں سے پیسے جوڑ کر اس نے وہ جوتے

فریدے۔اور جب وہ سڑک عبور کر رہا تھا تو ایک بس سے اسے ٹکر ماردی۔'' لمحے بھر کو نیچے دیکھتا سعدی خاموش ہوا۔

''جب لوگ اس کے باپ کی لاش کو گھر لائے تو ساتھ خون میں نہایا جوتوں کا ڈبا بھی تھا۔ جوتے آ گئے نوشیرواں! باپ چلا گیا۔ اگر تم اس لڑکے کو کہو کہ اس شرط پہ کہ اس کی زندگی پانچ منٹ بعد لے لی جائے گی' اس کا باپ اس کے سامنے آ جائے اور ان پانچ منٹ میں صرف اس کو ڈانٹے اور وہ ساری ڈانٹ سن کر صرف معافی مانگ سکے تو اس لڑکے کو وہ پانچ منٹ کی زندگی بھی قبول ہوگی۔ کیونکہ اپنی زندگی کے اگلے پانچ سال میں اس نے یہ بات اچھی طرح جان لی تھی کہ باپ کا کوئی replacement نہیں ہوتا۔''

نوشیرواں کی رنگت زرد پڑ چکی تھی۔ وہ ایک دم اٹھا اور باہر نکل گیا۔ جواہرات پیچھے ہوئی' مگر اسے دیکھے بغیر وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ نیچے لاؤنج میں اورنگزیب کھڑے کسی ملازم کو ہدایات جاری کر رہے تھے۔ شیروان کے قریب رکا' جھجکا' پھر ان کو کچھ کہتے ہوئے ان کے گلے لگا۔ شاید وہ ہاشم کی شادی کی مبارک باد دے رہا تھا۔

اورنگزیب نے سن کر اسے خود سے الگ کیا۔ خفگی سے کچھ کہتے کوٹ کا بازو جھاڑا جیسے شکن پڑ گئی ہو۔ مگر اب ان کے چہرے پہ وہ سختی نہ تھی اور شیرو کا چہرہ دمک رہا تھا۔ جواہرات نے آنکھیں بند کیں۔ ساری نمی اندر اتاری اور پھر پلٹ کر کمرے میں آئی۔

سعدی یونہی سر جھکائے کھڑا تھا۔ آہٹ پہ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ ہلکا سا مسکرایا۔

''تھینکس!'' وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''کیا واقعی.... اورنگزیب اس دن شیرو کے لیے پریشان ہوا تھا؟''

''اور کیسے پریشان ہوا جاتا ہے؟'' اسے الٹا تعجب ہوا۔ جواہرات نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''شاید میں بھی شیرو کی طرح کبھی کبھی اس کو سمجھ نہیں پاتی۔ وہ ایک سخت گیر باپ ہے' مگر.... اسے صرف ہاشم سنبھال سکتا ہے۔ فیر.... کبھی کبھی آ جایا کرو۔ تم سے بات کر کے اچھا لگتا ہے۔''

''میں لیڈز چلا جاؤں گا جلد۔ مجھے اسکالرشپ مل گیا ہے۔ کیمیکل انجینئرنگ۔''

''شیرو بھی.... انجینئرنگ پڑھے گا۔''

''مگر وہ تو مانچسٹر جائے گا' ہاشم بھائی نے بتایا تھا۔''

جواہرات نے ایک نظر سعدی پہ ڈالی اور ایک شیرو کے کمرے پہ۔

''نہیں' اس نے ابھی فیصلہ نہیں کیا۔''

(اچھا؟ سعدی کو حیرت ہوئی۔ ہاشم بھائی تو بالکل شیور تھے۔)

''کیا تم مجھے اپنی فیملی سے نہیں ملواؤ گے؟'' وہ مسکرا کر خود کو کمپوز کرتی اس کے ساتھ باہر آئی۔ سعدی نے بھی مسکرا کر سر ہلایا۔

وہ دونوں ہمراہ چلتے جب سیڑھیوں کے وسط میں تھے تو جواہرات نے رک کر اسے دیکھا۔

''اگر اس لڑکے کے والد آج زندہ ہوتے تو اس پہ بہت فخر کرتے۔''

سعدی نے جواب نہیں دیا۔ بس اداسی سے مسکرا کر زینے اترنے لگا۔

.....❖❖❖.....

شام مغرب میں ڈھل چکی تھی اور فارس لائبریری کے کونے والی میز پہ بیٹھا بور سا ہو کر بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ سامنے نوٹس اور کتابیں بھی منتظر سی پڑی تھیں۔ دفعتاً وہ آتی دکھائی دی۔ کندھے پہ بیگ' ہاتھوں میں کتابیں' بال جوڑے میں باندھے۔ تھکے تھکے انداز میں کرسی کھینچی۔ بیگ رکھا۔ فارس فوراً سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''مجھے نماز میں دیر ہوگئی۔'' اس کو دیکھے بنا وہ بیٹھ کر کتاب کھول رہی تھی۔ فارس نے سر کو خم دیا' پھر لگا کوئی اور بھی سامنے کھڑا ہے۔ چونک کر چہرہ اٹھایا تو ساتھ والی کرسی کھینچ کر جمشید افضل بیٹھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ فارس ناگواری سے اسے روکتا کہ بھائی تم کدھر؟ زمر نے کہا۔

''جمشید کو بھی یہی ٹاپک سمجھانا تھا۔ بیٹھیے جمشید۔ یہ آج ہم کور کرلیں گے۔'' کتاب کے صفحے پلٹتے اشارہ کرتی وہ بہت مصروف لگ رہی تھی۔ تھکی ہوئی بھی۔

عینک لگانے والا وہ دبلا پتلا تھیٹا اسٹوڈنٹ تابعداری سے سامنے بیٹھا۔ فارس نے تند نگاہوں سے اسے گھورا اور ضبط سے رخ پھیر لیا۔ وہ شدید بدمزہ ہوا تھا۔ خود اسے بھی معلوم نہیں کہ کیوں۔

زمر اب بال پین ہاتھ میں پکڑے باری باری دونوں کو دیکھتی سمجھا رہی تھی۔ جمشید جلدی جلدی رجسٹر پہ نوٹس لینے میں مگن تھا اور فارس گاہے بگاہے ایک اکھڑی اکھڑی سی نظر اس پہ ڈال لیتا۔ ''ہونہہ.... یہ بنیں گے وکیل۔ جج نے ایک پھونک مارنی ہے اور اس نے اڑ جانا ہے۔''

دس منٹ بعد وہ لڑکا اس کے لیے ناقابل برداشت ہوگیا تھا۔ وہ کچھ پوچھ رہا تھا اور زمر دوبارہ اسے وہی بات سمجھا رہی تھی۔ فارس کی بیزاری بڑھنے لگی۔ تب ہی زمر کا فون بجا۔ کال ضروری تھی' وہ معذرت کرتی اٹھ کر باہر چلی گئی۔

اس نے اب بہت فرصت سے پتلیاں سکیڑ کر اس چشمش کو دیکھا۔ پھر اس کے سامنے انگلی سے میز بجائی۔ رجسٹر پہ لکھتے لڑکے نے چونک کر اسے دیکھا۔

''وہ کتاب پکڑانا۔'' تحکم سے میز کے دوسرے سرے پہ رکھی کتاب کی طرف اشارہ کیا۔ وہ تابعداری سے سر ہلاتا جیسے ہی اٹھا' فارس نے اس کی کتابوں کے ساتھ رکھا اس کا موبائل اچک کر اپنی جیب میں رکھا۔ لڑکا واپس آیا' کتاب سامنے رکھی اور رجسٹر پھر سے کھول لیا۔ فارس نے ہتھیلی اس کے سامنے کی۔

''ذرا فون دینا اپنا۔ میرا کریڈٹ نہیں ہے۔ ایک کال کرنی ہے۔''

لڑکے نے مسکرا کر اپنی کتاب ہٹائی' پھر رجسٹر ہٹایا' پھر نوٹس ایک طرف کیے۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہ پریشان سا چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگا۔ پھر جیب تھپتھپائے۔

''نہیں دینا تو نہ دو۔'' وہ بگڑے موڈ سے بولا۔

''نہیں' ابھی تو میرے پاس تھا۔ آپ بیل دیں گے ذرا؟''

''لو.... میرا کریڈٹ ہوتا تو تم سے کیوں مانگتا۔'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''ویسے آخری دفعہ کہاں استعمال کیا تھا فون؟''

''وہ.... ہاں.... ڈاکٹر عبدالباری کے آفس کے سامنے۔''

''وہ تو دو بلاکس دور ہے۔ راستے میں گرا ہوگا۔ اب تک تو کوئی لے اڑا ہوگا۔ یوں کرو' واپس جاؤ اور راستے کا ایک ایک پتھر اٹھا کر دیکھو۔ شاباش۔'' ساتھ ہی اس کا شانہ تھپتھپایا۔ وہ سنگل پسلی ہل کر رہ گیا۔ پھر جلدی جلدی چیزیں سمیٹتا وہاں سے بھاگا۔

زمر جب آئی تو چیونگم چباتا فارس اکیلا وہاں بیٹھا تھا۔ اس نے تعجب سے خالی کرسی کو دیکھا۔

''یہ کہاں گیا؟''

''پتا نہیں۔ کچھ کھو بیٹھا تھا۔ اتنی جلدی میں بھاگا کہ موبائل بھی چھوڑ گیا۔'' لاپروائی سے میز پہ رکھے موبائل کی طرف اشارہ کیا جس کو وہ آف کر چکا تھا۔ زمر ناگواری سے سر جھٹکتے واپس بیٹھی۔

''یہ نان سیریس اسٹوڈنٹس بھی نا۔''

''نہیں! آپ اصرار کرتی ہیں تو اس کا انتظار کر لیتے ہیں۔ آدھا پون گھنٹہ ہی لگے گا اسے۔'' بہت ہی خیر خواہی سے پوچھا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ درشتی سے کہتی کتاب کھولنے لگی۔ وہ سر ہلا کر بہت انہماک سے اسے سننے لگا۔ اب وہ بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

اس اونچے اور نفیس لاؤنج میں نہ پھول تھے نہ اس دن کی رونق۔ ایک کنارے پہ قد آور کھڑکی کے ساتھ دو کرسیاں ساتھ ساتھ رکھی تھیں۔ ان کے درمیان چھوٹی میز پڑی تھی۔ ایک کرسی پہ جواہرات ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی' گردن ذرا ترچھی کیے بائیں ہاتھ پہ بیٹھے سعدی سے مکالمہ کر رہی تھی جو آگے کو ہو کر بیٹھا اپنے ہاتھوں کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''پھر ابو کے ایکسیڈنٹ کے بعد امی نے ٹیچنگ شروع کر دی۔ اب تو وہ ریٹائر ہونے والی ہیں۔ صحت بہت اچھی نہیں ہے ان کی۔'' وہ کافی دیر سے بولتا اب خاموش ہوا۔

جواہرات نے مسکرا کر ابرو اچکائے۔ ''اچھا لگا تمہیں سن کر۔ اس سے بھی زیادہ اچھا یہ کہ تم میری ایک کال پہ چلے آئے۔ آتے جاتے رہا کرو۔''

''اب اگلے سال چھٹیوں پہ ہی آؤں گا۔ ہاں کوشش کروں گا کہ کبھی شیرو سے مانچسٹر میں ملاقات ہو جائے۔''

''کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا کہ وہ بھی تمہاری ہی یونیورسٹی میں جا رہا ہے؟'' سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

''مگر....'' وہ چپ ہو گیا۔

''میں جس سعدی یوسف کو جانتی ہوں وہ کافی صاف گو ہے۔ تو تم بتا کیوں نہیں دیتے کہ تمہیں کیا برا لگا ہے؟''

''آئی ایم سوری.... مگر.... آپ نے اسے اپنا فیصلہ بدلنے پہ کیوں مجبور کیا ہے؟''

''میں نے صرف خواہش کی اور وہ مان گیا۔''

''مگر.... کیوں؟''

''تم درست سوچ رہے ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میرے بیٹے کے ساتھ رہو۔''

سعدی نے الجھ کر اسے دیکھا۔ ''مسز کاردار! اگر آپ چاہتی ہیں کہ اس کا خیال رکھوں تو میں بے بی سٹر نہیں ہوں۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ اس کو ہر وقت نصیحتیں کرتا رہوں تو میں مبلغ بھی نہیں ہوں۔ اور اگر آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں اس کے پل پل کی خبر آپ کو دوں تو میں جاسوس بھی نہیں ہوں۔''

''میں یہی سب چاہتی ہوں مگر بے بی سٹر' مبلغ یا جاسوس کی حیثیت سے نہیں۔ ایک دوست بن کر۔''

''ہماری پہلے ہی اچھی دوستی ہو چکی ہے اور دوست بن کر میں یہ سب کر سکتا ہوں۔ لیکن جتنا میں آپ کے بیٹے کو سمجھا ہوں۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ''اگر اسے یہ علم ہوا کہ آپ نے میری وجہ سے.... اونہوں.... وہ بہت خفا ہو گا۔''

''سعدی! میرا بیٹا ڈرگز پہ تھا' باپ سے نالاں تھا۔ اب وہ وعدہ کر چکا ہے خود کو بدلنے کا' مگر کیا مجھے اس کا یقین کر لینا چاہیے یا اس کی فکر کرنی چاہیے؟ مجھے اس کی صحت کی فکر اس کی یونیورسٹی سے زیادہ ہے۔ اور مجھے لگا کہ میں تم پہ بھروسہ کر سکتی ہوں۔ کیا تم میرے دوست نہیں ہو؟''

سعدی نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر ہلایا۔

''او کے۔ مگر میں اس کی پشت پہ کبھی بھی کچھ ایسا نہیں کروں گا جس پہ وہ مجھ سے خفا ہو۔ خیر! آپ بتائیں ہاشم بھائی کیسے ہیں؟ ان کے ہنی مون پہ جانے کے بعد آپ تو ان کو بہت مس کر رہی ہوں گی۔''

جواہرات نے شانے اچکائے۔ ''اس کی غیر موجودگی میں تو یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔''

''وہ اپنی بیوی کے ساتھ واپس آئیں گے تو پھر رونق ہو جائے گی۔''

''محبت اندھی ہوتی ہے۔ مگر امید ہے کہ شادی آنکھیں کھول دے گی۔ اسے جلد علم ہو جائے گا کہ اس لڑکی نے صرف اس کے اسٹیٹس کی وجہ سے اس سے شادی کی ہے۔''

سعدی کو اس بات کی امید نہیں تھی۔

''اگر.... ایسا تھا تو آپ نے ان کو روکا کیوں نہیں؟''

''میں روکتی تو وہ نہ کرتا۔ زیادہ بہتر ہے کہ وہ تجربہ کر کے سیکھے۔'' پھر ہاتھ اٹھا کر پانچ انگلیاں اسے دکھائیں۔ ''پانچ سال بھی نہیں چلے گی اس کی یہ شادی۔ تم یہ بات کسی ڈائری میں لکھ کر رکھ لینا۔''

''اچھا۔ مجھے تو وہ اچھی لگ رہی تھی ان کے ساتھ۔'' وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''وہ اس لیے کہ تم اچھے ہو۔ اور تمہیں ایک بات کہوں؟'' چونکہ وہ اس کے بائیں طرف بیٹھا تھا تو جواہرات ترچھی ہو کر اس کی طرف مڑی۔ ''سعدی کا مطلب ہوتا ہے خوش قسمت۔ اور بہت اچھے لوگ کبھی بھی خوش قسمت نہیں ہوتے۔''

''یہ منحصر ہے کہ آپ خوش قسمتی کسے کہتی ہیں۔ غم کا ملنا بدقسمتی نہیں ہے۔ خوشی کا ملنا خوش قسمتی نہیں ہے۔''

جواہرات نے مسکرا کر گلاس اٹھایا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

وہ جب اوپر شیرو کے کمرے میں آیا تو وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا کوئی گیم کھیل رہا تھا۔

''آؤ بیٹھو۔'' اس نے اسکرین پہ نظریں مرکوز کیے اپنے پیچھے سے ایک کشن نکال کر سعدی کی طرف اچھالا۔ سعدی نے کشن اس کے قریب رکھا اور وہیں بیٹھ گیا۔

''تمہاری ممی نے بتایا کہ تم بھی لیڈز جا رہے ہو۔''

''ہاں انہوں نے بتایا تھا کہ تمہارا ابھی وہیں داخلہ ہوا ہے۔'' وہ بہت انہماک سے گیم کی طرف متوجہ تھا۔ ایک دم برا سا منہ بنا کر کچھ کیز زور سے دبائیں اور پھر ''اف'' کر کے میز پہ مکا مارا۔ گیم اوور۔

''تم ابھی اس کے چالیسویں راؤنڈ پہ ہو؟'' سعدی نے تعجب سے اسکرین کو دیکھا۔ ''میری بہن تو ایک سو دس راؤنڈز کر چکی ہے۔''

شیرو بے یقینی سے اس کی طرف مڑا۔ ''میں مان ہی نہیں سکتا۔ سو سے اوپر پوری دنیا میں صرف تین لوگ گئے ہیں اور ان کا نام ہائی اسکورر کی فہرست میں ہے۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔'' اسے جیسے سعدی کی اس بڑھک کو جلد سے جلد غلط ثابت کرنا تھا۔ فوراً بٹن دباتا کچھ سلے کھولتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک فہرست سامنے آئی۔ سعدی خاموشی سے دیکھتا رہا۔

''یہ دیکھو! اس گیم میں آج تک صرف یہی لوگ....'' نوشیرواں بولتے بولتے ہکلا گیا۔

فہرست کا دوسرا نام جگمگاتے ہوئے اس کے سامنے تھا۔ حنین یوسف۔

''یہ میری بہن ہے۔'' سعدی نے بنا کچھ جتائے اشارہ کیا۔ نوشیرواں بالکل پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس دس افراد کی فہرست کو دیکھ رہا تھا۔ باقی بہت سے لوگوں نے اپنے ناموں کی جگہ نک نیمز بھی رکھے ہوئے تھے۔ اگر حنین کا کوئی اور نک ہوتا تو وہ سعدی کو جھوٹا قرار دیتا۔ مگر....

''خیر! پہلے یہ تو وہ پھر بھی نہیں ہے۔'' شیرو نے بظاہر لاپروائی سے ناک سے مکھی اڑائی۔ سعدی کی نظریں فہرست کے سب سے اوپر والے نام تک اٹھ گئیں۔ اس نے ذرا آگے ہو کر پڑھا۔ وہ نک نیم تھا "Ants Everafter"

''یہ کون ہے؟'' بہت دفعہ حنین نے اسے یہ فہرست دکھائی تھی' پھر بھی اس نے نوٹ شاید اب کیا تھا۔ شیرو نے مذکورہ شخص کی پروفائل پہ کلک کیا۔

''کوئی امریکن لڑکی ہے۔ اس سے زیادہ معلومات نہیں اوپن کر رکھیں۔ کیا تم میرے ساتھ کھیلنا چاہو گے؟'' وہ نئی گیم شروع کرنے لگا تھا۔

''نہیں۔'' سعدی بور سا ہو کر پیچھے ہوا۔

''میں ایک بات اچھی طرح جانتا ہوں نو شیرواں! کہ میں کوئی بھی گیم نہیں جیت سکتا۔ میرے پاس پھپھو' حنین یا ہاشم بھائی جیسا دماغ نہیں ہے۔''

.....❖❖❖.....

باب:4

انسان دوست

اگر تم حوصلہ مجتمع رکھ سکو جب ارد گرد
سب حوصلہ کھو رہے ہوں اور تم کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہوں
اگر تم خود پہ بھروسہ کر سکو جب سب تم پہ شک کریں
مگر ان کو شک کی اجازت بھی دو
اگر تم انتظار کر سکو اور انتظار سے تھکو نہیں
یا تم سے جھوٹ بولا جائے مگر تم نہ بولو
یا تم سے نفرت کی جائے مگر تم نفرت کو راستہ نہ دو
اور پھر بھی نہ تم بہت اچھے لگو نہ بہت عقلمند
اگر تم خواب دیکھ سکو اور خوابوں کو اپنا آقا نہ بناؤ
اگر تم سوچ سکو مگر سوچوں کو اپنا مقصد نہ بناؤ
اگر تم ''فتح'' اور ''تباہی'' دونوں سے مل سکو
اور ان دونوں دھوکے بازوں سے ایک جیسا سلوک کر سکو
اگر تم اپنے بارے بولا گیا سچ سننے کی ہمت کر سکو جسے نادانوں کو بہکانے کے لیے توڑ مروڑ کر پیش کیا جائے
یا جن چیزوں کو تم نے اپنی زندگی دے ڈالی' ان کو ٹوٹا ہوا دیکھ سکو
اور پھر جھک کر ان کو گھسے پٹے اوزاروں سے دوبارہ تعمیر کر سکو
اگر تم ہجوم سے بات کرو اور اپنے اندر کی اچھائی بھی برقرار رکھو
یا بادشاہوں کے ساتھ چلو اور اپنا عام ہونے کا احساس بھی نہ کھو سکو
اگر نہ دشمن' نہ دوست تم کو دکھ دے سکیں
اگر تم بے رحم منٹ کو بھر سکو' ساٹھ سیکنڈ جتنے فاصلے کی دوڑ سے
تب.... ہاں تب
تمہاری ہوگی یہ زمین اور جو اس میں ہے

اور سب سے بڑھ کر
تب تم بنو گے ایک ''انسان'' میرے بچے!

(کپلنگ کی نظم ''اگر'')

.....❖❖❖.....

تم ناحق ٹکڑے چن چن کر دامن میں چھپائے بیٹھے ہو ..... شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں کیا آس لگائے بیٹھے ہو

گھر آ کر سعدی نے سب سے پہلے حنین کے کمرے میں جھانکا۔ پھر یاد آیا وہ اس وقت ٹیوشن اکیڈمی گئی ہوتی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر پیکنگ کرتا رہا۔ جب مغرب کے قریب لاؤنج سے باتوں اور ٹی وی کی آوازیں بلند ہوئیں تو وہ باہر آیا۔ حنین بیگ صوفے پہ رکھ کر (یعنی پھینک کر) کچن میں گھس گئی تھی۔ وہ چوکھٹ پہ جا کھڑا ہوا۔

''ایک بری خبر ہے۔'' مسکراہٹ دبائے بات کا آغاز کیا۔ وہ فریج سے کھانا نکالنے میں مصروف تھی' مصروف ہی رہی۔

''میں نے آج نوشیرواں کے گھر تمہاری گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست دیکھی۔ معذرت کے ساتھ آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اب آپ پہلے نمبر پہ نہیں ہیں۔''

''ڈنر خراب نہ کرو بھائی! مجھے پتا ہے میں ہی ٹاپ پہ ہوں۔'' وہ خفگی سے اسے دیکھ کر پلیٹ لیے لاؤنج میں چلی آئی۔ کمپیوٹر چیئر کھینچی' ٹھن دبایا' ساتھ ہی لقمہ توڑا۔

''آخری دفعہ کب چیک کیا تم نے؟'' وہ بھی ساتھ آ کھڑا ہوا۔

''پرسوں۔ آپ کو پتا ہے میں دو دن ٹیسٹ کی تیاری میں رہی۔ اس لیے کھول نہیں سکی تو آپ مجھے بنا رہے ہیں۔'' ایک ہاتھ سے کھاتے' دوسرے سے ماؤس چلاتے وہ ای میل کھول رہی تھی۔ پھر لبوں پہ مسکراہٹ آئی۔ انگلی سے عینک پیچھے کی۔

''کاردار صاحب کی ای میل آئی ہے۔'' سعدی نے بھی آگے ہو کر پڑھا۔ حنین نے ان کو چار پانچ روز قبل موویز کی ایک فہرست بھیجی تھی جو ان کو دیکھنی چاہئیں جس کے جواب میں انہوں نے ''تھینکس'' لکھ کر بھیجا تھا۔ ساتھ ایک سمائل بھی تھی۔

حنین مسکرا کر اپنی گیم والی سائٹ کھولنے لگی۔ پھر سب سے پہلے فہرست سامنے لائی۔ اپنا نام ڈھونڈا' مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہ پلیٹ رکھ کے آگے ہوئی۔ وہ دوسرے نمبر پہ تھی اور پہلے پہ کوئی اور تھا۔

''یہ کون ہے؟ اور اس نے کب؟'' وہ حیران اور ذرا غصے میں اس کی پروفائل کھول کر دیکھنے لگی۔ مونث' اور تعلق امریکہ سے' اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

''آنٹس ایور آفٹر Ants ever after اس کا کیا مطلب ہوا؟''

بمشکل مسکراہٹ روکے سعدی نے شانے اچکا دیے۔ حنین اب نچلا لب دبائے بے چینی سے ادھر ادھر صفحے کھول رہی تھی۔ وہ بہت محظوظ ہو رہا تھا۔ بہنوں کو تنگ کرنے سے زیادہ لطف بھی ہوتا ہے کسی چیز میں بھلا؟

''آخر اس نے جیلی والا راؤنڈ کیسے پار کیا؟ اور ایک دم سے ٹاپ پہ کیسے آ گئی؟''

سعدی اسے تنگ کر چکا تھا' سو مسکرا کر کچن میں امی کے پاس چلا گیا۔ وہ اب بھی ویسے ہی لب کاٹ رہی تھی۔ پھر کچھ دیر سوچتی رہی اور اس کو پیغام بھیجا۔ کھانا وانا سب بھول گیا تھا۔

''ہائے!''

''ہیلو!'' اگلے ہی منٹ جواب آیا۔ حنین کی بورڈ پہ انگلیاں رکھے اسکرین کو دیکھتی ٹائپ کر رہی تھی۔

''آپ نے جیلی والا راؤنڈ کیسے پار کیا؟''

ذرا توقف سے جواب چمکا۔ ''نارملی ہم بات کا آغاز حال احوال پوچھنے سے کرتے ہیں۔''

''میں نارمل نہیں ہوں۔ میں حنین ہوں۔ اب بتاؤ تم نے وہ راؤنڈ کیسے پار کیا؟''

''محنت کی' بار بار کوشش اور ہو گیا۔ تو تم حنین ہو پاکستان سے؟''

''ہاں! اور تم کون ہو امریکہ سے؟'' وہ ابھی بھی متعصب انداز میں خفگی سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ وہاں پہلے مسکراتا ہوا نشان ابھرا اور پھر پیغام۔

''میں علیشا (Alicia) ورجینیا سے اور میرے آباواجداد فرانسیسی ہیں۔''

''(فرنچ امریکن؟) حنین نے مشکوک نظروں سے اسکرین کو گھورا۔ ''میں کیسے یقین کر لوں کہ تم وہی ہو جو تم کہہ رہی ہو؟''

''اوکے' میں کیمرہ آن کر دیتی ہوں۔ مجھے اس ہائی اسکور سے بات کر کے اچھا لگے گا جس کا ریکارڈ میں نے توڑا ہے۔''

اور اس نے کیمرہ چیٹ آن بھی کر دی۔ حنین کے لیے اتنی جلدی یہ غیر متوقع تھا پھر بھی اس نے کانوں پہ ہیڈ فون چڑھا لیے' اپنا کیمرہ مگر آن نہیں کیا۔ (ورنہ امی نے کچن سے جوتا پھینکنا تھا) کانوں میں خوبصورت سی آواز گونجی۔ ''کیا تم مجھے دیکھ سکتی ہو؟''

اسکرین پہ چوکھٹا بنا تھا جس میں ایک چھوٹا سا بیڈ روم نظر آ رہا تھا۔ علیشا کی پشت پہ دیوار پہ شیشہ تھا جو کمپیوٹر ٹیبل کا عکس دکھاتا تھا۔ وہ واقعی امریکی لڑکی تھی۔ سترہ اٹھارہ برس کی۔ بال سیاہ تھے' شولڈر کٹ' بہت گوری' بڑی بڑی آنکھیں کسی ہلکے رنگ کی اور بہت پیاری مسکراہٹ۔ اسکرین پہ اس نے ہاتھ ہلایا' وہ بھی اتنا مسکرا کر کہ حنین کے ناراض اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ ذرا پُرجوش سی ہو کر آگے ہوئی' بات کرنے لگی۔

''تو تم فرنچ امریکن ہو؟''

''ہاں' مگر میں خود کو امریکن کہلوانا زیادہ پسند کرتی ہوں۔'' وہ پھر ہنسی۔ اسے ہنسنے کی عادت تھی۔

''لیکن تم اپنے نام سے کیوں نہیں آتیں اور تمہارے اس نک نیم کا کیا مطلب ہوا؟''

''اوہ! وہ....'' اس نے لاپروائی سے شانے اچکاتے ہوئے جھک کر دراز سے کچھ نکالا۔

''وہ تو ایک عبارت ہے جو میری کی چین پہ لکھی ہوئی ہے۔'' ساتھ ہی سیاہ پتھر والی کی چین لہرائی اور وہیں میز پہ رکھ دی۔ ''مجھے خود بھی اس کا مفہوم نہیں پتا۔''

''اچھا وہ جیلی والا راؤنڈ۔'' حنین کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

''ایک دو ٹپس بتا سکتی ہوں میں۔'' علیشا دائیں ہتھیلی پہ ٹھوڑی گرائے آگے ہو کر بیٹھی بولنے لگی۔ حنین بہت غور سے سن رہی تھی۔

جب سعدی وہاں سے گزر کر کمرے میں جانے لگا' اسکرین دیکھ کر رستے میں رکا۔ اشارے سے پوچھا کہ کون ہے؟ حنین نے مائیک پہ ہاتھ رکھ کر بتایا ''میری نئی دوست'' اور فوراً دوبارہ وہیں متوجہ ہو گئی۔

وہ ابرو اچکا کر کمرے کی طرف چلا گیا۔

فون کی گھنٹی بجی تو سعدی چونکا اور ادھر ادھر اجنبی نظروں سے دیکھا۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ سات سال گزر چکے تھے اور سب کچھ بدل چکا تھا۔

تکان سے سر جھٹک کر اس نے فون اٹھایا جو ابھی تک ہاشم کی کال کے بعد سے گرم تھا۔

''جی میں آپ کو بھیجتا ہوں۔'' آفس میں سے کسی کی کال تھی۔ وہ سر ہلا کر کہتا لیپ ٹاپ اسکرین کو دیکھ رہا تھا جہاں اس نے غلط کمانڈ

اسے کرا اپنے ڈیٹا کو کرپٹ کر دیا تھا۔ اب دوبارہ سے ہاشم کی فائلز وہ کیسے لے گا؟ اف!
اس نے فون رکھ کر سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ ذہن خالی خالی سا تھا۔

.....❖❖❖.....

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوک دشنام ..... چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرز ملامت

بینکوئٹ ہال میں اندھیری شام اس پل خوب روشن تھی۔ موسیقی' قہقہے' رنگ' اسٹیج پہ دولہا دلہن کے ساتھ رش لگا تھا۔ تصویریں اتروائی جا رہی تھیں۔ گروپ فوٹوز' پیئر اینڈ نگز' فیری ٹیلز۔

دوسری جانب کھانا کھل چکا تھا۔ بوفے اسٹینڈ کی طرف جانے والوں میں حنین اور سیم بھی تھے۔ حنین ہلکی گلابی لمبی فراک اور چوڑی دار پائجامے میں ملبوس تھی اور سیم کا کرتا شلوار تھا۔ وہ قد میں حنہ کے کان تک آتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ چلتے وہ ذرا آگے نکلنے لگا تو بہن نے کہنی سے پکڑ کر قریب کیا اور تفتیشی انداز میں گھورا۔

''موٹے آلو.... ایک منٹ۔ شادی میں کھانے کے تین اصول یاد ہیں نا؟''

''بالکل!'' وہ مڑا اور اس کو دیکھتے ہوئے انگلیوں پہ گنوانے لگا۔ ''پہلا اصول' وہ چیزیں نہیں کھانی جو صرف معدہ بھرتی ہیں جیسے دال' روٹی اور سلاد۔ دوسرا جو عام طور پہ کھاتے رہتے ہیں جیسے مرغی اور بیف' ان پہ زیادہ قیمتی گوشت کو ترجیح دینی ہے جیسے مٹن اور پراؤنز۔ تیسرا اور آخری اصول' یہ سب اپنا آخری کھانا سمجھ کر کھانا ہے۔''

''درست!'' اس نے رعب سے سر کو خم دیا اور پھر دونوں ساتھ ساتھ آگے آئے۔ پلیٹیں اٹھائیں۔ تنقیدی نگاہ سے دور تک بوفے کا جائزہ لیا۔ پھر باربی کیو کو دیکھ کر حنین کی آنکھیں چمکیں۔ دونوں پُراعتماد چال چلتے اس طرف آئے۔

زمر بھی وہیں کھڑی تھی۔ نفاست سے پلیٹ میں ذرا سا کھانا ڈالتی۔ آج بھی سیاہ رنگ پہنا تھا۔ گھنگھریالے بال بھی ویسے ہی آدھے بندھے تھے۔ حنین اسے نظر انداز کر کے اپنی پلیٹ بھرنے لگی۔

زمر نے سر اٹھایا تو وہ ساتھ کھڑی تھی۔ وہ لوگ اکٹھے ہی آئے تھے اور تب سے دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ زمر ذرا سا مڑی اور میز پہ رکھے مایونیز کے بھرے پیالوں میں سے ایک اٹھا کر حنین کی طرف بڑھایا۔

حنین نے یوں ظاہر کیا جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔ کھانا ڈال کر اس میز کی طرف آئی۔ ایک اور پیالہ اٹھایا اور دوسری طرف مڑ گئی۔ زمر کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ پیالہ ہاتھ میں رہ گیا۔

''پھپھو! یہ میں لے لوں۔'' سیم نے جلدی سے اس کو شرمندگی سے بچایا۔

حنین نے سن لیا تھا مگر سنجیدگی سے پلیٹ میں گریوی ڈالتی رہی۔ چمچ رکھا تو ایک مہندی والے ہاتھ نے اسے اٹھا لیا۔ بے اختیار اس کی نگاہیں اٹھیں۔

وہ کرن تھی۔ کامدار لباس' زیور' میک اپ' ذرا بھری بھری سی' ہنستی مسکراتی۔ ساتھ میں اس کی کوئی کزن بھی تھی۔ وہ اس سے بات کرتے ہوئے کھانا ڈال رہی تھی۔ حنین کی نگاہ مزید پیچھے گئی۔ قریب ہی ایک میز پہ اس کی ساس تھیں' نوکرانی تھی' دو جڑواں بچے تھے جن کو ہر کوئی رک رک کر' جھک جھک کر پیار کر رہا تھا۔

حنین نے بے اختیار مڑ کر زمر کو دیکھا۔ وہ دیکھ چکی تھی اور اب سنجیدگی سے رخ موڑ گئی تھی۔ کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے کسی کے پاس وہ سب جو آپ سے چھینا گیا ہو۔ حنین پیچھے مڑی کہ پھپھو کے ہاتھ سے مایونیز کا پیالہ تھام لے مگر وہ اب سیم کے پاس تھا۔ اب دیر ہو چکی تھی۔

''حماد!'' اس نے نام کی پکار پڑتی سنی تو ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اپنی ماں کی میز پہ جھک کر کسی سے مل رہا تھا۔ گلاسز لگائے ہوئے' اچھی

شکل کا تھا مگر اس وقت وہ اسے زہر لگ رہا تھا۔ ذرا دبے دبے غصے سے وہ کھانا نکال کر زمر کے برابر آ کھڑی ہوئی۔ امی اور بھائی دور کسی ٹیبل پہ تھے مگر وہ تینوں یہیں کھڑے رہے۔

''یہ کرلی بالوں والی پراسیکیوٹر تھی نا حماد بھائی کی ایکس فیانسی؟'' کرن کی کزن نے اونچی سی سرگوشی کی۔ ان دونوں کی طرف ان کی پشت تھی مگر آواز کا راستہ کون روک سکا ہے بھلا۔

کرن نے ترچھے ہو کر دیکھا اور پھر شانے اچکا کر کھانا نکالتے ہوئے بولی۔

''تھی نہیں' وہ اب بھی پراسیکیوٹر ہے۔ کیریر ویمن یونو۔''

''تو اس کی شادی نہیں ہوئی؟ سچ گردے ضائع ہو گئے تھے نا؟''

''گردے کا کیا ہے؟ وہ تو مل گیا تھا۔ کوئی فرنچ عورت کسی آوارہ بھٹکتی روح کی طرح اچانک سے آئی اور گردہ دے گئی۔ سو فلمی ہے نا!''

حنین کا رنگ سفید پڑا۔ پلیٹ پہ جمے ہاتھوں کی گرفت سخت ہوئی۔

''گردے کا بہانہ ہے۔ جو عورتیں کیریر کے پیچھے پڑ جاتی ہیں پھر ان کے گھر کہاں بستے ہیں۔ اسی لیے ہمارے دین میں بھی گھر اور خاندان کی کتنی اہمیت ہے۔''

بے نیازی سے لٹ پیچھے کرتے کرن کی آواز اتنی ''دھیمی'' تھی کہ آس پاس کے چند ایک لوگ تو سن ہی چکے تھے۔ حنین نے کن اکھیوں سے زمر کو دیکھا۔ وہ کانٹے میں مچھلی کا ٹکڑا پھنساتی سنجیدہ' سپاٹ نظر آ رہی تھی۔

''کیا کہہ سکتے ہیں' دہشت گردی اتنی بڑھ گئی ہے۔''

''یار! انسان کو خود سمجھ ہوتی ہے ساری۔ اب کس نے کہا ہے کہ عورتیں قتل کے کیسز میں پڑیں؟ اسی لیے ہمارے دین میں....'' یہاں سب کا اپنا اللہ اور اپنا دین تھا۔

''ہیلو کرن!'' کسی نے کرن کو مخاطب کیا تو اس کی مسلسل چلتی زبان رکی۔

زمر اب کسی دوسرے اسٹینڈ کی طرف جا رہی تھی۔ وہ آواز پہ لمحے بھر کو رکی' پھر چلتی گئی۔ اور حنین کی تو ساری دنیا ہی اس آواز پہ رک جاتی تھی۔ وہ جو ذرا ترچھی ہوئی تھی' پوری پیچھے مڑ گئی۔

اور مڑی تو کرن بھی تھی' بہت خوشگوار حیرت سے۔

''ارے ہاشم' آپ!'' وہ ایک ہاتھ میں کانٹا اور ایک میں پلیٹ لیے مسکراتا ہوا کھڑا تھا۔ بنا ٹائی کے شرٹ' اوپر گرے کوٹ۔ مسکراتے ہوئے کرن کے رسمی کلمات کا جواب دیا۔

''مجھے خوشی ہوئی کہ آپ آئے۔ کیا آپ کی ممی بھی آئی ہیں؟'' اس نے ہاشم کے عقب میں دور مجمع میں تلاشنا چاہا۔ وہ ان کی کمپنی کے ایک عہدے دار کی بیٹی تھی اور وہ لوگ اس کے باس تھے۔ چند لمحے پہلے کی رعونت' تمکنت' سب غائب ہو گیا۔ خوش اخلاقی عود کر آئی۔

''کیسی ہو تم؟ اور یہ تمہاری آنکھوں کے نیچے اتنے حلقے کیوں پڑ گئے ہیں؟'' وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا مگر لہجہ اتنا ٹھنڈا تھا کہ کرن کے ہاتھ نے بے اختیار اپنی آنکھوں کو چھوا۔

''اپنی صحت کا خیال رکھا کرو کرن! کیونکہ اگر کسی کا ریکارڈ ہو خرابی صحت کی بنا پہ کسی عورت کو چھوڑ دینے کا' تو میں سوچتا ہوں اگر موجودہ عورت کی کبھی ٹانگ' بازو کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی تو اس کا کیا ہوگا؟ ہیلو حنین!''

وہ کہہ کر حنین کو مخاطب کرتا آگے بڑھ آیا۔ کرن بالکل ہکا بکا سی کھڑی تھی مگر حنین اب اسے دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ اس کے لب

لگے تھے۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ سر کے خم سے جواب دیتی وہ وہاں سے ذرا دور ہٹی' ایسے کہ ہاشم بھی ساتھ ہی چلتا آیا۔ کرن

زمر دور ٹیبل پہ سیم' سعدی اور ندرت کے ساتھ جا بیٹھی تھی۔

''یہ لرنے کی۔'' کہتے ہوئے حنین نے دور زمر کو دیکھا۔ ''کیا ضرورت تھی؟''

''میں نے زمر کے لیے نہیں کیا اور تمہیں یہ معلوم ہے۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں شانے ذرا اچکا کر پلیٹ میں چاول ڈال رہا تھا۔

''آپ بس اتنا سا لیں گے؟'' اس نے پہلے ہاشم کی پلیٹ کو دیکھا' پھر اپنی۔

''اس میں بھی بہت کیلوریز ہیں جس کا مطلب ہے ایکسٹرا ورک آؤٹ۔ میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔ سمجھا کرو۔'' حنین ہنس کر سر جھٹکتی

اٹھانے لگی۔ ہاشم نے کانٹے میں پھنسا ٹکڑا منہ میں رکھتے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میرے حلقہ احباب میں کوئی دوسری حنین نہیں ہے۔ میں نے جھوٹ بولا تھا۔''

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ ''یعنی آپ نے واقعی مجھے نہیں پہچانا تھا؟''

''ہاں' کیونکہ جس حنین کو میں جانتا تھا' وہ اتنی گھبرائی ہوئی پریشان سی نہیں ہوتی تھی۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کچھ عرصے سے؟''

وہ بالکل ٹھہر گئی۔ کیا وہ واقعی اتنا بدل گئی تھی کہ ہاشم تک نے محسوس کر لیا؟

''میں تو ویسی ہی ہوں اور آپ سے تو اب تقریبات میں ہی ملاقات ہوتی ہے۔ (ایفل ٹاور) آپ کو کیا پتا میں کیسی ہوں؟''

وہ سنبھل کر مسکرا دی مگر ہاشم نے گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔

''اور تم چاہتی ہو کہ میں اس وضاحت پہ یقین کر لوں۔ او کے کر لیا۔''

حنین ذرا سر جھکا کر کھانے لگی۔ دفعتاً کسی احساس کے تحت اس نے چہرہ گھما کر دیکھا۔ دور جواہرات کے ساتھ نوشیرواں کھڑا تھا اور

اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ بگڑے تاثر' بھنچی بھنوؤں کے ساتھ۔ وہ سیدھی ہوئی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' ہاشم نے گویا اسے تسلی دی۔ وہ اس کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔ اس نے ابرو اچکا دیے۔

''آپ کا بھائی ابھی بھی مجھے اسی طرح دیکھ رہا ہے۔ اس دن آپ کے گھر بھی اس نے مجھے دیکھتے ہوئے بھائی اور ماموں سے کچھ

کہا تھا وہ ابھی تک مجھ سے عداوت رکھتا ہے۔''

''آئی ایم سوری! میں اس کی طرف سے معذرت کرتا ہوں۔'' اس نے نرمی سے کہا اور پھر شیرو کو گھور کر تنبیہاً دیکھا۔ وہ دوسری

طرف دیکھنے لگا۔ حنین اثبات میں سر ہلا کر ڈش سے کباب نکالنے لگی۔ اس کا چہرہ اب ذرا سنجیدہ اور بجھا بجھا سا تھا۔ ہاشم معذرت کر کے آگے

بڑھا پھر ایک دم رک کر اسے دیکھا۔ کچھ کلک ہوا تھا اچانک سے۔

وہ ٹھہر گیا۔ لمحے بھر کو ساری دنیا ٹھہر گئی۔ پھر اس کی آنکھوں میں ہلکی سی تکلیف ابھری۔ بمشکل وہ چہرے پہ مسکراہٹ لایا' سر اثبات

میں ہلایا۔

''آئی ایم سوری حنین! آئی ریئلی ایم! میں پہلے یہ نہیں کہہ سکا۔ تم سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مجھے واقعی بہت.... آئی ایم سوری!''

حنین نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں درد تھا' تکان تھی۔ اس کے ذہن کے پردے پہ ایک بھولا بسرا لمحہ ابھرا۔ تب بھی اس

کی آنکھوں میں ایسا ہی درد تھا۔ حنین نے سر جھٹکا۔ وہ لمحے بھر میں شادی کی تقریب میں واپس آئی مگر اب ہاشم جا چکا تھا۔

وہ اپنی میز تک خالی الذہنی کے عالم میں واپس آئی۔ زمر کھا چکی تھی۔ ٹشو سے لب تھپتھپاتی وہ سعدی سے آہستہ سے کچھ کہہ رہی تھی۔

حنین نے حیرانی سے سنا۔

''کیا تم نے وہ اسے واپس کر دیا؟''

''کر دوں گا جلد ہی۔'' سعدی نے مختصراً کہا۔ حنہ چونکی۔ بھائی نے کب نیکلس واپس کرنا ہے آخر؟ مگر پھر اس کے ذہن کی رو بھٹک گئی۔ ہاشم کی معذرت.... ڈیڑھ سال بعد اس نے وہ شکوہ دور کر دیا جو حنین کو اس سے تھا ہی نہیں۔

''سیم! کپڑوں پہ مت گراؤ۔'' ندرت کی توجہ ادھر نہیں تھی۔ وہ حسب معمول سیم کو لتاڑ رہی تھیں۔ وہ بھی آگے سے حنین اور سعدی کا بھائی تھا۔

''امی! داغ تو اچھے ہوتے ہیں۔''

حنین واپس آ چکی تھی مکمل طور پہ۔ تنک کر اسے دیکھا۔

''یہ خود بھی ہمارے خاندان پہ کسی داغ سے کم نہیں ہے۔''

''مت تنگ کرو اسے۔'' ندرت نے دبا دبا سا گھورا۔ وہ فوراً چہک کر بولی۔

''یہ شروع کرتا ہے ہمیشہ۔ تالی دو ہاتھوں سے بجتی ہے۔''

''مگر تھپڑ ایک ہی سے پڑتا ہے اور گھر جا کر پڑتا ہے۔''

اس دھمکی پہ وہ بڑبڑا کر سر جھکائے کھانا کھانے لگی۔

سعدی اٹھ کر گیا تو ندرت نے زمر کے قریب ہو کر کہا۔ ''یہ جو نیلے کپڑوں والی جا رہی ہے نا' یہ حمیرا کی بیٹی رانیہ ہے۔ انجینئرنگ مکمل کی ہے اسی سال۔ مجھے یہ سعدی کے لیے پسند ہے۔''

زمر نے چونک کر اسے دیکھا اور کافی دلچسپی سے۔

''یہ تو بہت پیاری ہے۔ پھر کب مانگ رہی ہیں آپ رشتہ؟'' اس کے چہرے پہ جو کرن کی باتوں سے ڈسٹرب سا تاثر چھایا تھا' وہ زائل ہو کر مسرت میں بدلنے لگا۔

حنین نے ایک اچٹتی نگاہ اس دراز قد لڑکی پہ ڈالی جو لمبے فراک میں ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔ اور چونکہ اس کے لیے یہ خبر نئی نہیں تھی' اس لیے سر جھٹک کر کھانے لگی۔

''ابھی بڑے ابا سے مشورہ کرنا ہے پھر ہی کوئی بات شروع ہو گی۔'' یہ کہتے ہوئے بھی بلکہ صرف سوچتے ہوئے بھی ندرت کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔

''اور امی! اگر انہوں نے انکار کر دیا تو؟'' سیم نے اپنے تئیں بہت بڑوں والا سوال پوچھا تھا اور ندرت کا ہاتھ بس جوتے تک جاتے جاتے رہ گیا۔

''کیوں انکار کریں گے وہ ہمارے سعدی کو؟ کوئی وجہ بنتی ہے کیا؟'' زمر نے مسکراہٹ دبائے اس سے پوچھا۔ وہ جواباً مسکرا کر رہ گیا مگر....

حنین کا چمچ لبوں تک لے جاتا ہاتھ رکا۔ سر اٹھایا' سنجیدگی سے زمر کو دیکھا اور پھر دیکھتی رہی یہاں تک کہ زمر نے بھی اس کو دیکھا۔ ندرت سویٹ ڈش لینے اٹھ گئیں تب حنین بولی۔

''بغیر وجہ کے بھی انکار ہو جاتے ہیں پھپھو! کسی اچھے بھلے آدمی کو بھی اپنے زعم میں جنگلی' جاہل' غصہ ور کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے۔''

زمر کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ ''سوری؟'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

''میں تو آپ کی میموری ری فریش کر رہی تھی۔ کیوں؟ کیا آپ نے یہی کہہ کر فارس ماموں کے رشتے کو انکار نہیں کیا تھا؟'' اور سر

ہما کا کردرمیان میں روکا چمچ منہ میں ڈال لیا۔ پھر رخ پھیر کر سویٹ ڈش کے لیے اٹھ گئی۔

اور زمر.... وہ جہاں تھی' وہیں رہ گئی۔ ساکت' جامد۔ سانس تک بند ہو گیا۔ جیسے اندھیرے میں سیڑھیاں اترتے آخری زینے کے بعد یہ سمجھ کر پاؤں اتارا جائے کہ ابھی ایک زینہ اور باقی ہے اور وہ لمحے بھر کو پاؤں کا ہوا میں معلق ہو کر زمین کو لگنا.... وہ لمحے بھر کا شاک.... وہ دل کی بے ترتیب دھڑکن.... وہ وقت کی رفتار کو تھما دیتی ہے.... بالکل خاموش.... رکا ہوا وقت۔

❖❖❖

موجودہ دن سے پانچ سال قبل

کچھ زخم صدیوں بعد بھی تازہ رہتے ہیں فراز ..... وقت کے پاس بھی ہر مرض کی دوا نہیں ہوتی

حنین کے کمرے میں فل پنکھا چل رہا تھا۔ کارپٹ پہ جائے نماز بچھائے زمر تشہد میں بیٹھی تھی۔ نظریں ہاتھوں پہ مرکوز' چہرے کے گرد دوپٹہ' لب ہلتے ہوئے۔ پھر اس نے دائیں بائیں سلام پھیرا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ تب ہی نگاہ الماری سے کچھ نکالتی حنین پہ پڑی۔ زمر مسکرائی' اور وہ جو کسی بات پہ جھنجھلائی کھڑی تھی' پھیکا سا مسکرا دی اور پھر سے چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگی۔

زمر ہاتھوں میں دیکھتی زیر لب دعا مانگتی رہی۔ پھر چہرے پہ ہاتھ پھیر کر اٹھی تو حنین پلنگ کے کنارے بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ بجھا بجھا سا' دماغ کہیں اور اٹکا ہوا لگ رہا تھا۔ کوئی پریشانی تھی شاید' مگر کون پوچھے اور کون بتائے؟ ان کا رشتہ اتنا پُرتکلف تھا کہ دو سال سے سعدی کی غیر موجودگی نے بھی ان کو قریب نہیں کیا تھا۔ بس مسکراہٹ سے مسکراہٹ تک کا رشتہ۔

''کیا میں اسے یہیں رہنے دوں حنہ؟'' اس نے جائے نماز اٹھانے سے قبل پوچھا۔

حنین نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ابھی امی دو چار صلواتیں مزید سنائیں گی تب وہ وضو کرنے جائے گی' زمر کو معلوم تھا۔ حنین چہرہ ہتھیلیوں پہ گرائے بیٹھی رہی۔

''پھپھو! آپ تو ساری نمازیں پڑھتی ہیں نا؟ میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' وہ الجھن بھرے انداز میں اس طرح پوچھنے لگی جیسے ریاضی' سائنس یا معاشرتی علوم کے سوال ڈسکس کرنے ہمیشہ اس کے پاس آتی تھی۔ اس سے زیادہ وہ کبھی کچھ نہیں ڈسکس کرتی تھی۔

''پوچھو!'' وہ نرمی سے کہتی واپس جائے نماز پہ بیٹھ گئی۔

''کیا آپ کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے؟''

''ہاں ہے۔'' زمر کے لیے جواب آسان تھا۔

''کیسے؟ میرا مطلب ہے آپ اس محبت کی تعریف کیسے کریں گی؟''

زمر چند لمحے پُرسوچ نگاہوں سے اس کا کم عمر چہرہ تکتی رہی۔ پھر ذرا سے شانے اچکائے۔

''میرا نہیں خیال کہ میں اس محبت کو ڈیفائن کر سکتی ہوں۔''

''اوکے۔ میری ایک کرسچن دوست نے پوچھا تھا' اسی لیے میں پوچھ رہی تھی۔'' وہ سر ہلا کر اٹھ گئی۔

زمر نے گردن موڑ کر اسے باتھ روم جاتے دیکھا۔ ماتھے پہ کٹے بال اور باقی بال ہیئر بینڈ میں جکڑے کندھوں سے نیچے گرتے تھے۔ چہرے پہ پھیلی الجھن اب بھی وہیں تھی۔ کوئی مسئلہ تھا۔ مگر خیر' اس نے گھڑی دیکھی۔ اب اسے گھر جانا تھا ورنہ امی خفا ہوں گی۔

جب حنین نماز پڑھ کر آئی تو زمر جا چکی تھی۔ چونکہ حنین سامنے نہیں تھی اس لیے وہ آج کچھ نہیں بھولی' نہ حنہ کو یاد رہا۔ وہ بس بیزاری سے کمپیوٹر کے سامنے آ بیٹھی اور اسے آن کیا۔ ڈیسک ٹاپ کی گھڑی اس نے علیشا کی ریاست کے مقامی وقت کے مطابق سیٹ کر رکھی تھی۔ وہاں صبح ہو چکی تھی اور علیشا آن لائن تھی۔

چوکھٹے میں علیشا صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ دو سال پہلے کی نسبت اب ذرا بڑی لگتی تھی' یہی کوئی بیس برس کی۔ دوسرے چوکھٹے میں حنین تھی۔ اداس اور خفا خفا سی۔ اس کے گھر والوں کو علیشا کی اتنی عادت ہو چکی تھی کہ سارا وقت بھی حنین کا کیمرہ آن رہتا تو کسی کو مسئلہ نہ ہوتا۔

''تم اداس لگ رہی ہو۔'' علیشا اس کا چہرہ دیکھتے ہی بوجھ گئی۔ حنین نے گردن دائیں بائیں ہلائی مگر آنکھوں میں وہی اداسی چھائی رہی۔

''میں فورم پہ تمہارے سوال کا جواب پوسٹ کرنے لگی تھی۔'' ساتھ ہی وہ کیز دبائے جا رہی تھی۔ علیشا نے چیک کیا۔ پھر اس کی آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔

''حنین! مجھے لگتا ہے تم نے غلط جواب لکھ دیا ہے۔ میرا سوال تھا کیا آپ کو خدا سے محبت ہے؟ تم نے جواب میں پتا نہیں لکھ دیا ہے۔''

''یہ سچ ہے۔ مجھے واقعی پتا نہیں ہے۔''

''مگر....'' علیشا چپ ہو گئی۔ حنین اب مٹھی پہ ٹھوڑی گرائے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مگر تم اور میں' ہم زیادہ تر دین کی باتیں کرتے ہیں' ایک دوسرے کو اپنے اپنے دین کے بارے میں بتاتے ہیں۔ اور تم بھی میری طرح اپنی کتاب بہت پڑھتی ہو' پھر؟''

''بہت نہیں' میں ہفتے میں ایک دو دفعہ ہی پڑھ پاتی ہوں۔ جب بھائی تھا تو ہم روز پڑھتے تھے مگر اب مجھے وقت نہیں ملتا۔'' حنہ نے شانے اچکائے۔

''دیکھو علیشا! میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں وہ ناولز اور ڈرامے جن میں ہیرو یا ہیروئن بہت ہی گناہگار ہوتے ہیں اور پھر کسی بڑے واقعے کے بعد وہ بالکل مذہبی ہو کر اللہ کی محبت میں سب گناہ چھوڑ دیتے ہیں۔ میں ایسی کہانیوں کی بہت قدر کرتی ہوں مگر میں خود کو ان سے ریلیٹ نہیں کر سکی کبھی۔ میں اس کا شکر ادا کرتی ہوں' احترام بھی کرتی ہوں' دعا بھی مانگتی ہوں۔ اسے معبود تسلیم کرتی ہوں۔ میں امی' اپنے بھائیوں' ابو اور (مڑ کے دیکھا' زمر جا چکی تھی کب کی) اور کچھ دوسرے رشتے داروں سے بہت محبت کرتی ہوں' اسی لیے میں کہہ سکتی ہوں۔''

ذرا توقف کر کے وہ چہرہ ہتھیلی سے ہٹا کر پیچھے ٹیک لگاتے ہوئے صاف گوئی سے کہنے لگی۔

''تمہاری ساری تقریر ایک طرف.... ابھی تم کس بات پہ پریشان ہو؟ میں صرف اتنا کہوں گی کہ جو بھی مسئلہ ہے' اس کو حل کرنے کی کوشش کرو۔''

''ہاں ایک اسکول کا مسئلہ ہے۔ خود ہی حل ہو جائے گا۔'' وہ تلخ ہوئی۔ علیشا نے لب بھینچ کر نفی میں گردن ہلائی۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں فکرمندی تھی۔

''مسئلے خود حل نہیں ہوتے' کرنے پڑتے ہیں اور اس کے دو طریقے ہیں۔ یا تو خود میں ہمت تلاش کرو یا زیادہ ہمت والے کو تلاش کرو۔'' اور پھر وہ عادتاً ہنسی۔ یہ اس کا انداز تھا۔

(زیادہ ہمت والا؟) حنین نے مڑ کر دروازے کو دیکھا۔ پھر نفی میں سر جھٹک کر سیدھی ہوئی۔

''کیا تم نے پریزن بریک کا یہ سیزن ختم کر لیا؟'' ساتھ ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ حنین نے بیزاری سے دور پڑے فون کو بجتے دیکھا۔ امی اور سیم زمر کے جاتے ہی سونے چلے گئے تھے۔ اسے ہی اٹھنا پڑے گا۔

''نہیں' ابھی چھٹی قسط پہ ہوں۔ یار! اس بار مزا نہیں آ رہا۔ ویسے مجھے مائیکل سے زیادہ لنکن پسند ہے۔ اچھا میں چلتی ہوں۔ اس

امت میری ایک رشتے دار آنٹی کا فون ہوتا ہے عموماً اور وہ لمبی بات کرتی ہیں۔''

وہ الوداعی کلمات کہتی سائن آف کرنے لگی۔ پھر بھاگ کر مسلسل بجتا فون اٹھایا۔ سی ایل آئی پہ نمبر انجانا تھا' مگر پھر بھی کہیں دیکھا ہوا لگا تھا۔

''ہیلو؟ جی حنین بات کر رہی ہوں۔ اوہ..... جی' جی شیور۔ ابھی؟ ابھی نہیں مگر شام میں ماموں آئیں گے ہماری طرف تو میں ان کے ساتھ آجاؤں گی۔ شیور اورنگزیب انکل۔'' مسکرا کر اس نے فون رکھا۔ چہرے پہ آئی ساری کلفت' بیزاری زائل ہوگئی۔ وہ امی کو بتانے بھاگی۔ اورنگزیب صاحب کو کام تھا اور انہوں نے اسے بلایا تھا۔ واہ۔

.....❖❖❖.....

اب احتیاط کی کوئی صورت نہیں رہی ..... قاتل سے رسم و راہ سوا کر چکے ہیں ہم

لیڈز میں سرمئی صبح اپنے اندر نمی سموئے اتر رہی تھی۔ سارہ کے کچن کی کھڑکی سے بادلوں سے ڈھکا آسمان صاف نظر آتا تھا۔ وہ پہلے سے ساس پین اتار کر گرم دودھ کپ میں انڈیل رہی تھی۔ پیچھے کرسی پہ ذکیہ بیگم بیٹھی پھل کاٹ کر سعدی کے سامنے رکھتی جا رہی تھیں۔ وہ اب سے آیا تھا خاموش بیٹھا تھا۔

''کتنے دنوں بعد آئے ہو۔ اتنا نہیں ہوتا کہ چکر لگا لو۔ وہ بھی میرے وارث کو شکایت کرنے پہ کہ ندرت آپا سے کہیں سعدی کی خبر لیں' تم آئے ہو۔ پی ایچ ڈی میں کر رہی ہوں یا تم؟''

اپنے ازلی سادہ انداز میں ابرو سکیڑے بولتی ہوئی وہ ادھر آئی۔ ٹرے میز پہ رکھی۔ باری باری ہر مگ میں چمچ ہلایا۔ پھر سب کے سامنے مگ رکھے۔ ذکیہ بیگم نے مگ اٹھاتے ہوئے بغور سعدی کو دیکھا۔

''آج سعدی نے آتے ساتھ ہی بچیوں کا نہیں پوچھا۔''

وہ چونک کر سنبھلا۔ ذرا سا مسکرایا۔ ''نہیں تو۔ میں بس۔''

''وہی تو امی! یہ آج بہت بجھا بجھا لگ رہا ہے۔ کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ۔'' اپنا کپ لے کر سامنے بیٹھتی وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔ وہ شرمندہ ہوگیا۔

''اصل میں..... میرا مسئلہ نہیں ہے۔ میرا ایک دوست ہے' اس کا مسئلہ ذرا پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔''

''او کے۔'' سارہ نے توجہ سے سنتے ہوئے کپ لبوں سے لگایا۔

''اس لڑکے کی ممی کافی..... کافی پوزیسیو ہیں اور کیئرنگ بھی۔ وہ ادھر آیا بھی اس لیے کہ اس کی ممی اس کو میرے ساتھ رکھنا چاہتی تھیں تاکہ میں اس کا خیال رکھوں اور اس پہ نظر بھی رکھوں۔ وہ ڈرگز پہ چلا گیا تھا پہلے۔''

''اوہ..... تو کیا اس نے ڈرگز چھوڑ دیں؟'' ذکیہ بیگم نے ذرا فکرمندی سے پوچھا۔ سعدی کے چہرے پہ بے بسی در آئی۔

''یہی تو مسئلہ ہے۔ میرے اور اس کے سبجیکٹ الگ ہیں' ڈیپارٹمنٹ الگ ہیں۔ کبھی کبھی ملاقات ہوتی ہے۔ اس کی ممی کی ہر میل کے جواب میں' میں سب اچھا ہے کی رپورٹ دیتا تھا مگر ابھی کچھ دیسی لڑکوں سے مجھے پتا چلا ہے کہ وہ پھر سے ڈرگز پہ چلا گیا ہے۔ شاید کوئی لڑکی چھوڑ گئی ہے اسے۔ ایک تو اسے بھی ہر مہینے سچی محبت ہو جاتی ہے۔'' آخر میں وہ جل کر بولا۔ ذکیہ اور سارہ ہنس پڑیں۔

''اس دن اس نے گاڑی کہیں ماری ہے۔ جرمانہ بھی ہوا' مطلب چالان۔ شکر ہے وہ اس وقت ڈرگز پہ نہیں تھا ورنہ معاملہ بگڑ جاتا۔ اس کی ممی کو نہیں معلوم یہ بات۔ اب میں کیا کروں؟ دوست کی شکایت لگاؤں یا اس کے عیب چھپاؤں؟''

''دیکھو سعدی!'' سارہ کپ رکھ کر سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''ایک ماں ہونے کی حیثیت سے میرا حق ہے کہ مجھے اپنے

بچے کے ہر کام کی رپورٹ ملے۔ اگر تم اس کے سچے دوست ہو تو اس کی ماں کو ضرور بتاؤ تاکہ وہ اس کی اصلاح کر سکے۔ اگر اس کی جگہ سیم یہ کرتا تو تم یہی چاہتے کہ تمہاری امی کو خبر دی جائے۔ ہے نا؟''

''اوہ!'' سعدی کے لب سکڑے۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ سمجھ گیا تھا۔

''سارہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس کی ماں کو بتاؤ تاکہ دو جوتے لگائے وہ اس کو۔'' ذکیہ بیگم کی ساری ممتا جاگ اٹھی تھی۔ وہ مسکرا کر رہ گیا۔

''تھینک یو آپ دونوں کا۔'' پھر کپ اٹھاتے ہوئے موضوع بدلا۔ وارث ماموں ٹھیک ہیں؟ صرف ایک سال رہ گیا ہے نا آپ کے پروگرام کا؟''

''صرف؟ پورا ایک سال پڑا ہے۔'' سارہ گھونٹ بھرتے ہوئے اداسی سے مسکرائی۔ ''اور پھر ہم بالآخر ایک فیملی ہوں گے اور فیملی کی طرح رہیں گے۔ بہت خوار کر دیا ہے ان پڑھائیوں نے۔''

''واقعی!'' ذکیہ بیگم بھی سارہ کو دیکھتے ہوئے مغموم سی مسکرا دیں۔ صرف ایک سال.... پورا ایک سال.... رہ گیا تھا۔

سعدی مسکرا کر گھونٹ بھرنے لگا۔

.....❖❖❖.....

ہمیں نے روک لیا پنجہ جنوں ورنہ ..... ہمیں اسیر یہ کوتاہ کمند کیا کرتے

لاؤنج کی قد آدم کھڑکی کے ساتھ جواہرات کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی اور ہاتھ میں جکڑے موبائل پہ سعدی کی تازہ ای میل کھلی تھی۔ موبائل اتنی دیر سے یوں پکڑ رکھا تھا کہ اسکرین پسینے سے نم ہو گئی تھی۔

میری اینجیو قدم قدم چلتی اس کے قریب آئی۔ مئودب سا پکارا۔

''مسز کاردار! آپ کی تمام پیکنگ مکمل ہو گئی ہے۔ رات کے لیے لیڈز کی فلائیٹ بھی بک کروا دی ہے اور مسز شہرین نے کہا ہے کہ وہ بھی چلیں گی۔''

جواہرات نے ابرو سے ''ہوں'' کا اشارہ کیا تو وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ تب ہی اورنگزیب سیڑھیاں اترتے دکھائی دیے۔ جواہرات آہٹ پہ بھی بدستور باہر دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ پیچھے ایک صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھ گئے۔

''اچانک ہی تم نے انگلینڈ جانے کا پروگرام بنا لیا؟''

''میں شیرو کو مس کر رہی تھی اور اس بہانے شہرین اور سونیا کا بھی دل بہل جائے گا۔ ہاشم کے پاس تو اتنا وقت نہیں ہوتا۔''

''یعنی کہ تم نے اسے ایک مکمل فیملی ٹرپ کی شکل دے دی ہے۔ ویری گڈ! اور میرے ڈاکومنٹس؟'' وہ بہت ضبط سے اسے دیکھ کر بولے۔ جواہرات نے مڑے بنا ذرا سے کندھے اچکائے۔

''کیا میں دو دن سے کئی دفعہ بتا نہیں چکی کہ میرا لیپ ٹاپ خراب ہو گیا ہے اس لیے وہ فی الوقت ری کور نہیں ہو سکتے' نہ ان کا ڈرافٹ تیار ہو سکتا ہے۔''

''اور چونکہ اب تم باہر جا رہی ہو تو ایک مہینے کے لیے یہ کام ملتوی ہو گیا۔ تب تک تو میری سماعت کی تاریخ بھی گزر جائے گی اور اس کا سب سے زیادہ فائدہ تو تمہیں ہی ہو گا۔''

اس طنزیہ لہجے پہ بھی جواہرات سکون سے کھڑی باہر دیکھتی رہی۔ دفعتاً خاور اندر آیا۔ سوٹ میں ملبوس' تراشیدہ مونچھوں والا ۴۰ چونتیس پینتیس برس کا آدمی تھا۔

''جی سر؟''

''آیئے خاور صاحب! اور ذرا وضاحت کیجیے کہ آپ جیسا ایکسپرٹ میری بیوی کا ایک لیپ ٹاپ کیوں نہیں ٹھیک کر سکا؟''

خاور نے ذرا کی ذرا جواہرات کو دیکھا اور پھر اورنگزیب کو۔ دونا خداؤں کا ہونا بھی عذاب تھا۔

''سر! میں نے کوشش کی مگر مسئلہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر آپ کہیں تو کسی پروفیشنل کے پاس لے جاؤں؟ یا آفس سے کسی کو بلا کر.....''

جواہرات تیزی سے اس کی طرف مڑی۔

''میرے لیپ ٹاپ میں ہماری کمپنی کے کتنے خفیہ ڈاکومنٹس ہیں' معلوم ہے تمہیں؟ میں کیسے اسے کسی دوسرے کے حوالے کر سکتی ہوں؟''

''میری بیوی کو یہی خوش فہمی ہے کہ میں کسی اور کو لیپ ٹاپ نہیں دے سکتا' جبکہ میں دے سکتا ہوں۔ میری!'' انہوں نے خشمگیں نگاہ دونوں پہ ڈال کر میری کو آواز دی۔ جواہرات نے مضطرب سی ہو کر خاور کو دیکھا اور خاور نے ذرا پریشانی سے اورنگزیب کو۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ اورنگزیب یہ نہیں کرے گا مگر۔

''مگر سر.....!'' اورنگزیب نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرایا۔ میری سامنے آئی تو انہوں نے اسے صرف اشارہ کیا۔ وہ پہلے سے مطلع کر دی گئی تھی سو سر کو خم دیتی باہر نکل گئی۔

جواہرات گویا سلگ کر واپس باہر دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پہ شدید اضطراب پھیلا تھا۔ یہ آدمی ناقابل برداشت تھا۔ شدید ناقابل برداشت۔

.....❖❖❖.....

دلبری ٹھہرا زبان خلق کھلوانے کا نام ..... اب نہیں لیتے پری رو زلف بکھرانے کا نام

انیکسی کے اندر چھوٹا سا لونگ روم تھا جس میں ٹی وی چل رہا تھا اور سامنے بیٹھی حنین چینل بدل رہی تھی۔ اس نے ماتھے والے بال چھوڑ کر باقی پونی میں باندھ رکھے تھے اور ذرا بے چین سی لگ رہی تھی۔ ندرت اور فارس خاموش سے بیٹھے تھے۔

''تم نے اورنگزیب انکل کی طرف نہیں جانا؟ انہوں نے بلایا جو تھا۔'' ندرت نے اسے پکارا۔

''ان کی نوکرانی نے ہمیں آتے دیکھ لیا تھا۔ جب بلانا ہوگا خود بلا لیں گے۔''

''اچھا اٹھ کر ہمارے لیے چائے تو بنا دو۔ کوئی کام نہیں کرتیں تم۔''

''امی! آپ سیدھے سیدھے کہہ دیں کہ حنہ تم باہر چلی جاؤ' ہمیں بات کرنی ہے تو میں چلی جاؤں گی۔'' وہ ریموٹ رکھ کر برا سا منہ بناتی اٹھ گئی۔ فارس خاموشی سے دیکھتا رہا۔

''اب کہاں جا رہی ہو؟'' ندرت نے پھر پکارا۔

''وارث ماموں کے پاس۔ وہ کال سننے باہر گئے تھے وہیں رہ گئے۔'' وہ داخلی دروازے سے باہر نکل آئی اور دروازہ ذرا سا کھلا چھوڑ دیا۔ پھر باہر اس کے ساتھ کھڑے ہو کر کان لگا کر سننے لگی۔ آنکھوں میں شرارت اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

''جی کیا بات کرنی تھی آپ کو؟'' فارس کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

''ایسا ہے فارس کہ سلیم بھائی نے اپنی بیٹی زرتاشہ کے لیے اشاروں کنایوں میں بات کی ہے۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں بات شروع کروں؟'' وہ اس کے ساتھ جا کر بیٹھ گئیں اور بڑی آس سے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کر کہنے لگیں۔

''کیا زرتاشہ ہی ہے خاندان میں واحد لڑکی؟'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی اور بیزاری سے ادھر ادھر دیکھا۔

''اچھا تم بتاؤ۔ جہاں کہو گے میں رشتہ لے کر چلی جاؤں گی۔''

حنین چہرہ دروازے پہ جھکائے لب شرارت سے دبائے سن رہی تھی۔

فارس چند لمحے ندرت کو دیکھتا رہا۔

''آپ کی نند.... اس کا بھی تو ابھی کہیں رشتہ نہیں ہوا۔'' بہت ہی کوئی سرسری انداز میں کہا۔ ندرت چونکیں۔ پھر آنکھوں میں خوشگواری ابھری۔

''ہاں اس کا بھی....'' پھر رک گئیں۔ آنکھوں کی جوت بجھ گئی۔ فارس نے غور سے ان کے تاثرات دیکھے۔

''میں اس کے قابل نہیں یا وہ میرے؟''

''نہیں اصل میں میری ساس.... وہ اتنی آسانی سے نہیں مانیں گی۔''

''نہیں مانتیں تو نہ مانیں۔ ایک دفعہ بات کر لیجیے گا بس۔'' اس کے تاثرات ذرا سخت ہو گئے۔ ندرت نے جلدی سے بات سنبھالی۔

''نہیں میں پوری کوشش کروں گی۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ اس کا ایک اور رشتہ بھی آیا ہوا ہے آج کل۔ میں پھر اسی ہفتے جا کر بات کرتی ہوں۔''

اور باہر دل پہ ہاتھ رکھے کھڑی حنین حیران' خوش' ایکسائٹمنٹ' غرض ہر جذبے سے گزر رہی تھی۔ تب ہی کسی نے اس کو کان سے پکڑ کر دوسری طرف کھینچا۔ وہ گڑبڑا کر گھومی۔ وارث سامنے کھڑا تھا۔

''ماموں.... میں آپ کی طرف ہی آ رہی تھی۔''

''مگر میں نے سوچا کہ.... کن سوئیاں لینے میں بھی ہرج نہیں ہے۔'' اس نے حنین کا فقرہ مکمل کیا۔ وہ ابھی تک کان رگڑ رہی تھی، جھنجھلا کر اسے دیکھا۔

''آپ کدھر رہ گئے تھے؟ گرمی میں اتنی دیر سے کھڑے ہیں۔''

''وہ گاڑی ہٹا کر اپنی سامنے کر رہا تھا۔'' اس نے فارس کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ حنین کا کان رگڑتا ہاتھ رکا۔ آنکھوں میں کچھ چمکا۔ اس نے وارث کے ہاتھ سے چابی جھپٹی اور گاڑی کی طرف بھاگی۔ جلدی سے دروازہ کھولا۔ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی اور ڈیش بورڈ کے خانے کو الٹ پلٹ کرنے لگی۔ وارث ذرا حیران سا اس طرف آیا۔

''کیا کر رہی ہو؟''

''جب ماموں ہمیں پک کرنے آئے تھے تو.... مجھے دیکھ کر جلدی سے کچھ اس میں ڈالا تھا۔ مل گیا۔ بلکہ مل گئی۔'' سیاہ مخملیں ڈبی ہاتھ میں لیے حنین نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا اور پُرجوش سی ہو کر ڈبی کھولی۔

''اوہ گاڈ' کٹو! واپس رکھو فوراً۔ یہ فارس کی پرسنل چیزیں ہیں۔''

''دیکھنے تو دیں۔'' وارث نے ہاتھ بڑھا کر ڈبی لینی چاہی مگر اس نے ہاتھ دور کر لیا۔ ڈبی کھل چکی تھی اور وہ جو ٹاپس یا انگوٹھی کی توقع کر رہی تھی' خود بھی ٹھہر سی گئی۔

سیاہ مخمل پہ ہیرے کی ننھی سی لونگ تھی' بالکل مونگ کی دال کے دانے جتنی۔

''واپس رکھو اسے۔'' دروازے کے ساتھ کھڑے وارث نے اب سختی سے کہا تو اس نے ڈبی بند کر کے احتیاط سے واپس رکھ دی۔ پھر خود بھی باہر نکل آئی۔ چہرے پہ مسکراہٹ تھی' آنکھوں میں چمک۔

''یہ نوز پن (ناک کی لونگ) تھی۔''

''فارس نے لی ہوگی کسی کے لیے۔اب مت چھیڑنا اسے۔''

''آہا.... مجھے پتا ہے کس کے لیے۔میری پھپھو ناک کی لونگ پہنتی ہیں۔''

وارث کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔بے اختیار ادھر ادھر دیکھا۔

''عقل کدھر ہے تمہاری؟ دوبارہ یہ بات مت کرنا۔''

''کیوں؟ میں نے کیا کہا ہے؟''

''میری بات سنو غور سے۔'' وہ سنجیدگی سے اس کے سامنے کھڑا کہنے لگا۔''مجھے بھی پتا ہے کہ تمہاری پھپھو ناک میں لونگ پہنتی ہیں۔ اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ تم اندر سے کیا سن کر آرہی ہو۔فارس نے پہلا مشورہ مجھ سے کیا تھا۔یہ باتیں حنین! ہمارے خاندانوں میں پسند نہیں کی جاتیں۔ڈیڑھ دو سال پہلے تک وہ اس کا اسٹوڈنٹ بھی رہا ہے۔اگر اس نے تب یہ بات نہیں کی تو اس لیے کہ خاندان میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ان کا کوئی.... افیئر رہا ہے۔اب یہ والی بات....'' سختی سے ڈیش بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔''یہ کسی کے سامنے نہیں دہرانی تم نے۔ندرت آپا کے سامنے بھی نہیں۔''

''اچھا۔'' حنین نے منہ بنا کر گردن پھیر لی۔سارے ایڈونچر کا ان احتیاط پسند ماموں نے بیڑا غرق کر دیا تھا۔تب ہی میری ایجنسی کی طرف آتی دکھائی دی۔حنین بے اختیار سیدھی ہوئی۔

''کاردار صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔''

حنین سر ہلا کر جانے لگی تو وارث کار لاک کر کے آگے آیا۔''ٹھہرو! اکیلی مت جاؤ۔میں ساتھ آرہا ہوں۔''

اس کے چہرے پہ کافی سختی سمٹ آئی تھی۔

.....❖❖❖.....

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے وہ گزری ..... تنہا پس زنداں کبھی رسوا سر بازار

ہاشم کے کمرے کی کھڑکی کا رخ انیکسی کی طرف تھا۔اس لیے وہاں سے یہ منظر صاف نظر آتا تھا۔ہاشم ایک سرسری نظر ان پہ ڈال کے پلٹا۔سامنے بیڈ پہ کھلا بیگ رکھا تھا اور شہرین الماری سے ہینگرز نکال نکال کر ڈھیر کر رہی تھی۔وہ بھینچے ہوئے ابرو کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

''کچھ عرصے سے تمہارے انگلینڈ کے چکر زیادہ نہیں لگ رہے؟''

ہینگر سے شرٹ اتارتے شہرین کے ہاتھ تھمے۔پھر اسے کھینچ کر اتارا۔تین تہیں لگائیں۔بیگ میں رکھا اور سنہری بال کان کے پیچھے اڑسی سیدھی ہوئی۔

''مسز کاردار نے پیشکش کی تھی اور وہاں میری خالہ بھی رہتی ہیں۔اچھا ہے اس بہانے ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔تمہارے پاس وقت ہوتا تو ہم ایک فیملی کی طرح جاتے۔''

''کوئی بات نہیں۔تم شاید میرے بغیر وہاں زیادہ خوش رہتی ہو۔'' وہ تلخی سے کہتا آنکھیں سکیڑ کر اسے کپڑے تہہ کرتے دیکھ رہا تھا۔

''تم جھگڑے کے موڈ میں ہو؟'' اس نے بیزاری سے کہتے ہوئے ڈریسر سے ایک ڈبا اٹھایا اور اس میں چیزیں بھرنے لگی۔

''جھگڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔وہاں جا کر بھی تم نے میری بیٹی ملازموں پہ چھوڑ دینی ہے۔اس کا بخار پچھلے ہفتے ٹھیک ہوا ہے مگر تمہارے پاس نہ ادھر اس کے لیے وقت ہوتا ہے نہ ادھر ہوگا۔''

''تم وقت نکالنا شروع کرو۔میں پیروی کروں گی۔'' وہ لپ اسٹکس اٹھا اٹھا کر ڈبے میں ڈال رہی تھی۔ہاشم تلخی سے سر جھٹک کر باہر

نکل گیا۔

راہداری کے دوسرے سرے پہ ایک کمرے کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ وہ نرسری تھی اور ادھر کاٹ کے ساتھ ایک ملازمہ کھڑی نظر آ رہی تھی۔ ہاشم کی آنکھوں میں افسوس ابھرا۔ پلٹ کر ایک ملامتی نظر اپنے کمرے پہ ڈالی اور سیڑھیاں اترنے لگا۔

بیچ سیڑھیوں کے وہ رک گیا۔ ابرو بھینچ گئے۔ پھر تیزی سے آخری زینے تک آیا۔

''تمہارا بھائی ملا تھا مجھے پچھلے سال۔ کہہ رہا تھا جب بھی کمپیوٹر خراب ہوتا ہے وہ تمہیں کال کرتا ہے۔'' اورنگزیب صوفے پہ براجمان کہہ رہے تھے۔ سامنے والے صوفے کے کنارے حنین ٹکی تھی اور بار بار کبھی ساتھ کھڑے وارث کو دیکھتی' کبھی کھڑکی کے ساتھ موجود خود کو سلگتی نظروں سے گھورتی جواہرات کو۔

''بھائی کمپیوٹرز میں اچھا نہیں ہے۔ اس لیے۔'' وہ ذرا تذبذب سے بولی۔ پھر دوبارہ جواہرات کو دیکھا۔ جواہرات اب سینے پہ بازو لپیٹے تندہی سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ عام حالات میں پُراعتماد رہنے والی حنین گڑبڑا رہی تھی۔ ہاشم بمشکل ضبط کر کے وہیں کھڑا رہا۔

''یہ لیپ ٹاپ....'' اورنگزیب نے میز کی طرف اشارہ کیا۔ ''چل نہیں رہا۔ ویسے تو میں کسی کو بھی بلا لیتا مگر.... تمہارا امتحان بھی آج لے لیتے ہیں۔''

حنین نے ایک نظر وارث کو دیکھا جس پہ اورنگزیب نے دوسری نظر بھی نہیں ڈالی تھی اور پھر لیپ ٹاپ اٹھا کر گود میں رکھا۔ اسے کھولا۔ آن کیا۔ اب وہ جواہرات کو دانستہ طور پہ نہ دیکھنے کی سعی کر رہی تھی۔

اسکرین پہ کچھ حرف لکھے آ رہے تھے۔ حنین نے چند کیز دبائیں۔ پھر نگاہ اٹھائی تو آخری سیڑھی پہ کھڑا ہاشم بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ بالکل سانس روکے۔ مضطرب۔

کاردارز کے چہروں کی تاب لانا مشکل تھا۔ وہ سر جھکا کر اسکرین کو دیکھنے لگی۔ چند بٹن مزید دبائے۔ سسٹم چلنے لگا۔

''غالباً یہ آن ہو گیا ہے۔ تو پھر حنین! کیا مسئلہ تھا اس میں؟'' اورنگزیب نے ایک استہزائیہ مسکراہٹ سے بیوی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ حنین نے چہرہ اٹھایا۔ ہاشم سے نظر ملی۔ ہاشم نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اونہوں کچھ منفی مت بتانا۔''

اس نے اورنگزیب کو دیکھا۔ وہ منتظر تھے۔ وہ کسی فیملی وار کے درمیان پھنس گئی تھی۔ نارمل حالات میں اسے.... ایک منٹ۔ وہ نارمل نہیں تھی۔ وہ حنین تھی۔ اس نے تن کر گردن سیدھی کی۔ لیپ ٹاپ کا رخ ان کی طرف پھیر کر اسے میز پہ واپس رکھا اور بالکل سیدھی کھڑی ہو گئی۔

''اس میں کوئی بھی مسئلہ نہیں تھا۔ اسٹارٹ اپ کا مسئلہ بھی خود ساختہ تھا۔ شاید آپ نے یا کسی اور نے۔'' معصومیت سے مسز کاردار کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''کوئی شرارت کی تھی اس کے ساتھ۔'' گردن اورنگزیب کی طرف موڑ لی۔ مسکرائی۔ وہ بھی سر کو خم دے کر ہلکا سا مسکرائے۔ ہاشم نے ''اف'' کراہ کر آنکھیں بند کیں۔ ''یہ بچے بھی نا۔''

''میں اس فیور کو یاد رکھوں گا۔'' اورنگزیب نے بلند آواز میں کہا تھا۔ حنین اور وارث جانے کے لیے مڑے۔

''کیا کھانا کھا کر نہیں جاؤ گی؟'' جواہرات ذرا مسکرا کر سرد آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''نہیں۔ ہم جلدی میں ہیں۔'' وارث نے اسے اشارہ کیا۔

''بہت عرصے سے تم نے مجھے موویز کی فہرست نہیں بھیجی؟'' اورنگزیب نے اسی سخت اور بارعب لہجے میں پوچھا تھا۔ شاید ان کا سب سے نرم انداز یہی تھا۔ حنین نے بے نیازی سے شانے جھٹکے۔

''میں اب موویز نہیں دیکھتی۔ وہ دو تین گھنٹے میں ختم ہو جاتی ہیں اور پھر دل کرتا ہے بالکل اس جیسی مووی اور بھی دیکھی جائے' مگر

ولی موی نہیں ملتی۔ سو میں اب امریکی ٹی وی شوز دیکھتی ہوں۔ لمبے لمبے سیزن.... بار بار کی انجوائے منٹ۔"
یہ وہ آخری بات تھی جو اس نے کہی۔ پھر خدا حافظ کہہ کر وہ نکل آئے۔ دروازہ بند کرتے ہوئے وارث نے ایک خاموش مگر گہری نظر
اہم پر ضرور ڈالی تھی۔
"میں تمہیں ایک نصیحت کروں گا۔ کاردار سے فاصلہ رکھنا۔ یہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ سبزہ زار عبور کر رہے تھے
اب اس نے کہا۔ حنین نے الٹا تعجب سے اسے دیکھا۔
"میں تو دو سال سے ان کے گھر بھی نہیں آئی۔ کاردار صاحب کو آخری میل سال پہلے کی تھی شاید۔ یہی بھجواتے ہیں ہر ماہ باسکٹ۔
لے تو یہ بھی نہیں پتا کہ ان کا بزنس کیا ہے؟"
"باسکٹ؟" اس سوال پہ حنین دل کھول کر ہنسی۔
"ہاشم بھائی کی بیٹی چھ مئی کو پیدا ہوئی تھی۔ سو ہر ماہ کی چھ تاریخ کو چاکلیٹس اور برانڈڈ سوئیٹس سے بھری باسکٹ سب رشتے داروں
نے گھر آتی ہے کہ بھئی اب سونیا اتنے ماہ کی ہو گئی اب اتنے کی۔ جب تک وہ دو سال کی نہیں ہو جائے گی یہ ہوتا رہے گا۔ امیروں کے
چونچلے۔"
وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے دور ہوتے جا رہے تھے۔
ہاشم نے کھڑکی سے ان کو جاتے دیکھا۔ آنکھوں میں گہری سوچ تھی مگر پھر باپ کی آواز نے چونکایا۔
"ہاشم! مجھے ڈرافٹ نکال کر دو تاکہ میں پیپرز بنواؤں۔ اور یہ کام تمہاری ناقابل اعتبار ماں کے جانے سے پہلے ہو جانا چاہیے۔"
ہاشم کے ابرو تن گئے۔ خاور کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ چلا گیا تو وہ سامنے آیا۔ صوفے پہ براجمان باپ کے بالکل سامنے۔
"میری ماں کو ملازموں کے سامنے بے عزت مت کیا کریں۔"
وہ کھڑے ہوئے۔ ایک خشمگیں نگاہ اس پہ ڈالی اور دوسری جواہرات پہ جس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے تھے۔ آنکھوں میں
عبرت چمکی۔
"جو کہا ہے وہ کرو مجھے مت سمجھایا کرو۔" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ان کا دروازہ بند ہوتے ہی جواہرات تیزی سے اس
کے قریب آئی۔
"کیا تم نے دیکھا وہ ہمیشہ کس جنگ سے ملازموں کے سامنے۔"
"ممی! میرے ساتھ میرے باپ کے خلاف بات مت کیا کیجیے۔" جواہرات رک گئی۔ نگاہیں یک ٹک ہاشم کے چہرے پہ ٹھہر
گئیں۔ وہ غصے میں لگ رہا تھا۔
"آئندہ آپ ان سے غلط بیانی نہیں کریں گی۔ زمین نہیں بچنی تو مجھے بتائیں۔ ہاشم ہر مسئلہ سنبھال سکتا ہے۔ خود غلط قسم کے اقدام
نہ کیا کریں۔"
جواہرات نے اس کو دیکھتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔ ہاشم ایک طرف سے گزر کر باہر نکل گیا۔
برآمدے کے اونچے ستونوں کے ساتھ خاور چوکس مودب کھڑا تھا۔ وہ برہمی سے کہتا اس کے سامنے آیا۔
"تم میری ماں کے لیے کام نہیں کرتے۔ میرے باپ کے لیے بھی کام نہیں کرتے۔ تم میرے لیے کام کرتے ہو۔ آئندہ ان
راہوں کا کوئی بھی ایسا حکم مت ماننا جو ان کے درمیان کسی جھگڑے کا سبب بنے۔ کیا میں دہراؤں یا تم سمجھ گئے ہو؟" خاور نے سر جھکا لیا۔
"سوری سر! مسز کاردار نے مجھے دھمکی.... اوکے۔ میں احتیاط کروں گا۔"

ہاشم نے گہری سانس لے کر گردن موڑی۔ یہاں سے انیکسی نہیں نظر آتی تھی۔ وہ پچھلی طرف تھی مگر اسے کچھ ان دیکھا نظر آیا تھا۔

''یہ آدمی.... فارس کا بھائی وارث غازی' اس پہ نظر رکھو خاور! فون ٹیپ کرو' آفس بگ کرو' جو بھی کرو۔ میں نے سنا ہے یہ پٹرولیم درآمدات کی ڈیلنگز کی رپورٹ تیار کر رہا ہے۔ بظاہر کوئی خطرے کی بات نہیں ہے مگر جس طرح یہ مجھے دیکھ رہا تھا ابھی.... سمجھ گئے ہو نا؟'' اس کا کندھا تھپتھپا کر پوچھا۔ خاور نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''گڈ!'' ہاشم واپس مڑ گیا اور کاردار قصر پہ اترتی نیلی شام آہستہ آہستہ سیاہی میں بدلتی رہی۔

.....❖❖❖.....

فرشتہ مجھ کو کہنے سے میری تحقیر ہوتی ہے ..... میں مسجود ملائک ہوں' مجھے انسان رہنے دو

ذوالفقار یوسف کے گھر کا لاؤنج آج زیادہ ہی پُر رونق لگ رہا تھا۔ زمر رات ان کے پاس ٹھہرنے کو آئی تھی۔ ندرت خوشی خوشی اسٹور سے صاف تولیے اور لحاف وغیرہ نکال رہی تھیں۔ حنین البتہ قدرے مضمحل سی زمر کے سامنے والے صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تھی۔ زمر نے بہت دفعہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھا مگر پھر خاموش رہی۔

حنین کا چہرہ اسکول سے آتے ساتھ ہی ایسا تھا۔ جس بات کو وہ اتنے دنوں سے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی تھی' وہ آج زیادہ بھیانک طریقے سے سامنے آ گئی تھی۔ اس کی اس بدتمیز' مغرور اور نالائق کلاس فیلو سبرینہ جاوید کی والدہ یاسمین جاوید جو اسکول کی وائس پرنسپل بھی تھیں' نے اسے آج اپنے آفس میں بلایا تھا۔

''آپ نے نائنتھ میں بورڈ ٹاپ کیا تھا حنین! کیونکہ آپ کے نوٹس بہت اچھے ہوتے ہیں۔''

''جی.... میم!'' اس نے محتاط نظروں سے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ کرسی پہ بہت تمکنت اور رعب سے بیٹھی اسے دیکھ رہی تھیں۔

''اور سبرینہ کافی دن سے آپ سے نوٹس مانگ رہی ہے۔ نہ نوٹس آپ نے دیے نہ ہی اس کی پریکٹیکل نوٹ بک بنا کر دی۔''

''میم! وہ نوٹس میں لیکچر کے دوران لیتی ہوں۔ انگریزی کے خط' مضمون وغیرہ میں جن کتابوں سے تیار کرتی ہوں وہ میرے بھائی اور پھپھو کی پرانی کتابیں ہیں۔ وہ میں کیسے کسی کو دے سکتی ہوں؟ اور میں اس کو کیوں نوٹ بک بنا کر دوں؟''

''آپ کو پتا ہے نائنتھ کا بورڈ ٹاپ تب میٹر کرے گا جب آپ دسویں میں بھی ٹاپ کریں۔ ملا کر رزلٹ آئے گا نا؟ سو آپ سبرینہ کی مدد کیا کریں۔ اگر نہیں کریں گی تو اس بات کو ذہن میں رکھیے گا کہ وائس پرنسپل چاہے تو آپ کا داخلہ بھی نہ بھیجے' چاہے تو ایسے کمنٹس لکھ کر اسکول سے خارج کر دے کہ اگلے تین سال تک کوئی اسکول ایڈمیشن دینے کا اہل نہ رہے۔ منڈے تک سبرینہ کی نوٹ بک تیار ہونی چاہیے۔ آپ جا سکتی ہیں۔''

اور وہ بے بسی' غصہ' یہاں تک کہ ڈر' ہر جذبے میں گھری واپس آئی اور تب سے ایسے ہی تھی۔

''امی.... میرے براؤن جوتے نہیں مل رہے لنڈے والے۔'' سیم کو پھپھو کی موجودگی میں تازہ تازہ خریدے جوتوں کو دکھانے کی جلدی تھی' اس لیے کافی دیر سے آوازیں لگا رہا تھا۔ حنین چونکی۔ پھر اٹھ کر اندر گئی جہاں وہ الماری کھولے کھڑا تھا اور اسے زور کی چٹکی کاٹی۔

''کتنی دفعہ امی نے بتایا ہے لنڈا نہیں کہتے' ایل شاپ کہتے ہیں۔''

''اچھا!'' اور پھر سے حلق پھاڑ کر چلایا۔ ''امی امی! میرے ایل شاپ والے جوتے نہیں مل رہے جو لنڈے سے لیے تھے۔''

''اف!'' وہ کراہ کر باہر نکل آئی۔ زمر بمشکل مسکراہٹ روک کر بیٹھی تھی۔ حنین پھیکا سا مسکرائی۔

''باہر ہوا ہے۔ اوپر ٹیرس پہ بیٹھتے ہیں۔'' زمر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سیم جوتے ڈھونڈ کر فوراً باہر آیا اور آنکھیں پھیلائے تعجب سے اسے دیکھا۔

''پھپھو! اس وقت باہر نہیں جایئے گا۔ ہمارے لان کا درخت ٹیرس تک جاتا ہے۔ اس پہ جن ہوتے ہیں۔''

زمر نے گہری سانس لی۔ جنات.... جن کے بارے میں سنانے کو ہر شخص کے پاس ایک کہانی ضرور ہوتی ہے۔

''اور پتا ہے پھپھو! میرے دوست کے گھر کے قریب ایک قبرستان ہے جہاں۔'' سیم پُر جوش سا سنانے لگا۔ وہ اس عمر میں داخل ہو گیا تھا جب بچے اسکول سے آ کر ''میری ٹیچر اور میرا دوست'' کے اقوال زریں سارا وقت سناتے ہیں۔ زمر نے نرمی سے اس کے ماتھے سے بال ہٹائے۔

''میں تمہیں اس سے بہتر کہانی سناتی ہوں۔ مگر پہلے اوپر چلو۔'' سیم کی پریشانی نظر انداز کر کے وہ اوپر آ گئے۔ حنین بھی بجھی بجھی سی ان کے ساتھ تھی۔

اوپر والا پورشن کسی دوسری فیملی نے کرائے پہ لے رکھا تھا۔ البتہ ٹیرس کی طرف بیرونی لوہے کا زینہ جاتا تھا اور وہاں یہ لوگ بھی بیٹھ جایا کرتے تھے کبھی کبھار۔ باغیچے کا درخت ٹیرس کے ایک حصے پہ گھنا سایہ کرتا تھا۔ وہ درخت سے دور وسط میں بچھی کرسیوں پہ جا بیٹھے۔

''تو اسامہ یوسف خان جنات سے ڈرتا ہے؟'' سیم کو بازو کے حلقے میں لے کر اپنے ساتھ بٹھائے وہ کن اکھیوں سے سامنے بیٹھی حنین کو دیکھتے ہوئے بولی۔ سیم نے تذبذب سے اثبات میں سر ہلایا۔

''وہ.... ڈراؤنے ہوتے ہیں نا۔''

''اور یہ تو تمہیں پتا ہے کہ انسان فرشتوں اور جنوں سے زیادہ اشرف ہے۔ یعنی کہ زیادہ نوبل ہے۔''

''مجھے پتا ہے۔'' اس نے دینیات میں پڑھ رکھا تھا۔ اشرف المخلوقات۔

''تو انسان زیادہ نوبل اس لیے ہوتے ہیں کیونکہ ہم وہ بھی کر سکتے ہیں جو جن نہیں کر سکتے۔''

''جن غائب ہو سکتے ہیں پھپھو!''

''ہاں! اور ہمیں چھپنے کے لیے غائب ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ آرام سے پریشانی اور اندر کا خوف دوسروں سے چھپا کر خود کو نارمل ظاہر کر لیتے ہیں۔'' زمر نے کن اکھیوں سے دیکھا۔ حنین چونکی تھی۔

''مگر وہ اڑ بھی سکتے ہیں۔'' سیم کو جنوں کی تحقیر پسند نہیں آ رہی تھی۔

''اور ہمیں اوپر جانے کے لیے پیروں کی ضرورت نہیں۔ ہمارا کردار ہمیں بلند کرتا ہے۔ ہم زیادہ مضبوط ہیں کیونکہ ہم اپنی فیملی کا مشکل اور پریشانی میں ہاتھ تھامتے ہیں۔''

''مگر....'' سیم ذرا کی ذرا درخت کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا مگر زمر اسے سمجھا بھی نہیں رہی تھی۔

''میں تمہارے دوست سے زیادہ اچھی جنوں کی کہانی سناتی ہوں تمہیں۔'' وہ سیم کو مخاطب کر کے اس کے بال سہلاتی کہہ رہی تھی۔

حنین بھی ذرا آگے ہو کر غور سے سننے لگی۔

''صدیوں سے جن آسمانوں کا سفر کرتے' فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے۔ پھر ایک دن اچانک انہوں نے آسمانوں کو ٹٹولا تو اسے ت پایا۔ وہ کان لگانے گئے تو ان پہ شعلے برسنے لگے۔ وہ اس وقت نہیں جانتے تھے کہ ان کے رب نے انسان کے ساتھ نیکی کا ارادہ کیا ہے یا ائی کا۔ تو وہ زمین میں پھیل گئے تاکہ خبر لیں کہ کیا غیر معمولی واقعی پیش آ رہا ہے جو آسمان پہ اتنے پہرے لگ گئے ہیں۔''

کہتے ہوئے اس نے آسمان کو دیکھا۔ وہ تاریک تھا۔ چاند کے بغیر' صرف تاروں سے ڈھکا۔ پراسرار' خاموش اور گہرا۔

''پھیلتے پھیلتے ان میں سے کچھ وادی نخلہ پہ جا پہنچے۔ وہاں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہؓ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے تو قرآن اتر رہا تھا۔ نماز کا قرآن جب انہوں نے سنا تو ان کے دل بدل گئے۔ وہ فوراً اپنی قوم' اپنے خاندانوں کی طرف پلٹے اور ان کو بتایا کہ ہم نے ایک عجیب

قرآن سنا ہے جو راہنمائی دیتا ہے۔ تو سیم یوسف.... تمہارے دوست کا دوست جو بھی کہے' مجھے تو قرآن میں جنات کا ذکر بہت پیار سے بیان کیا ملا ہے۔ مجھے تو وہ بہت نوبل لگے۔ انہوں نے سچائی جان لی تو اسے چھپایا نہیں۔ اپنے لوگوں میں واپس جا کر ان تک حق پہنچایا۔ یہ تو انسانوں کی اچھائی ہے نا؟ سچ کے لیے اسٹینڈ لینا۔ کیا اب بھی تم جنوں سے ڈرتے ہو؟''

سیم جو بالکل مسحور ہو کر سن رہا تھا' استفسار پہ چونکا۔ ذرا سے شانے گرائے۔

''نن.... نہیں تو۔''

''جنوں سے نہ ڈرا کرو سیم! ایٹم بم نہ انہوں نے بنائے تھے' نہ برسائے تھے۔ انسان زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔''

حنین یک ٹک مبہوت سی سن رہی تھی۔ زمر اب سیم کو نیچے سے کچھ لانے کے لیے بھیج رہی تھی۔ جب وہ چلا گیا تو اس نے زمر کو اپنی طرف رخ کرتے دیکھا۔

''اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تم ڈرنا چھوڑ دو حنہ! انسان کو انسان بننے کے لیے بہادر بننا ہوتا ہے۔'' نرمی سے مسکرا کر کہا۔ تاریک رات' گھنا درخت' ٹیرس کی تنہائی' حنین کے اندیشے' خوف سب اس کی آنکھوں کی نرمی میں زائل ہوتا گیا۔ زمر نہیں پوچھے گی' یہ تو طے تھا۔ وہ صرف سوال کا اعتماد دے کر فیصلہ دوسرے پہ چھوڑ دے گی۔

حنین اٹھی اور سیم کی جگہ پہ اس کے قریب آ بیٹھی۔ اب سر جھکا کر انگلیاں مروڑتے ہوئے بات کا آغاز کرنا چاہا مگر الفاظ حلق میں پھنس گئے۔ زمر نے غور سے اس کا جھکا چہرہ دیکھا۔

''میں ایک بہت پراعتماد لڑکی کو جانتی ہوں جو ہر بات کا ترنت جواب دے کر سب کو ہنسا دیتی ہے۔ آج کیا وہ گھر پہ نہیں ہے؟ میں جب سے آئی ہوں' مجھے نظر نہیں آئی۔''

حنین ہلکا سا ہنس دی۔ سر اٹھایا۔ ہنسی سمٹی۔ آنکھوں میں اضطراب ابھرا۔

''علیشا کہتی ہے' میری امریکن دوست کہ مسئلوں کے دو حل ہوتے ہیں۔ یا خود میں ہمت تلاش کرو یا زیادہ ہمت والے کو۔''

''اور....؟''

''میری کلاس فیلو سبرینہ....'' پہلا قدم مشکل ہوتا ہے۔ پھر اگلے قدم تو خود بخود اٹھنے لگ جاتے ہیں جیسے برسوں کی عادت ہو۔ ساری بات سن کر زمر نے سنجیدگی سے کہا۔

''پہلی بات تمہیں اسکول میں bully کیا جا رہا ہے' بلکہ یہ ہراس منٹ ہے اور یہ جرم ہے۔ حنہ! کبھی بھی زندگی میں ظلم کے اوپر خاموش نہیں رہنا۔ او کے؟''

حنین نے فوراً اثبات میں گردن ہلائی۔

''دوسری بات' یہ مسئلہ تو میں دو دن میں حل کر سکتی ہوں۔ میرے پاس ایک ایسا پلان ہے جس کے بعد وہ ٹیچر دوبارہ تمہیں دھمکانے کی جرأت نہیں کر سکیں گی۔''

''واقعی؟'' حنین کی آنکھوں میں حیرت' خوشی' غرض ہر مثبت جذبہ چمکنے لگا۔

''ہاں۔ تم دیکھتی جاؤ میں کیا کرتی ہوں۔''

حنین کا چہرہ گویا دمکنے لگا۔ الفاظ دنیا بناتے ہیں۔ الفاظ دنیا بکھیرتے ہیں۔ صرف الفاظ نے ہی اسے اتنا مطمئن کر دیا تھا۔ وہ پُرسکون سی ہو کر بیٹھ گئی۔ پھر جلدی سے سیدھی ہوئی۔

''اوہ۔ امی نے ٹرائفل بنا کر رکھا تھا فرج میں۔ آئیں نیچے چلتے ہیں ورنہ موٹا آلو سب کھا جائے گا۔''

زمر ہلکا سا ہنس دی مگر وہ نیچے نہیں گئی۔اس نے حنہ کے جانے کا انتظار کیا۔ساتھ ہی چہرے کا پُرسکون تاثر غائب ہوا۔اس کی جگہ مضطرب سوچ نے لے لی۔اس نے موبائل نکالا۔فون بک اوپر نیچے کی۔ایک نمبر پہ رکی۔

اس نے چوتھی گھنٹی پہ اٹھالیا تھا۔

''فارس! میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟''

وہ جم سے آرہا تھا۔سانس ابھی تک پھولا ہوا تھا۔''نہیں میم! بتایئے۔''

''میری ایک فرینڈ کا کیس ہے۔مقابل ایک اسکول کی وائس پرنسپل ہیں۔'' تاریک رات میں سرگوشی نما آواز میں وہ کہہ رہی تھی۔

''اور وہ خاتون ہاتھ نہیں آرہیں۔تو ان کو ڈیل کرنے کا کوئی پلان ہے آپ کے پاس؟''

زمر نے گہری سانس لی۔نیچے سے حنین اور اسامہ کے پھر کسی بات پہ لڑنے کی آواز آرہی تھی۔وہ سماعت کی حد سے دور تھے۔

''نہیں۔لیکن اگر میں یہ اس فرینڈ کو ابھی کہہ دیتی تو وہ کبھی دوبارہ اپنا مسئلہ لے کر میرے پاس نہیں آئے گی۔سچ بتاؤں تو مجھے نہیں پتا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''

''اوکے۔آپ ان خاتون کا کوئی نمبر' پتا وغیرہ دے دیں۔ان کی بیک گراؤنڈ فائل تیار کر کے آپ کو بھجوادوں گا۔کچھ تو مل جائے گا ان کے خلاف استعمال کرنے کو۔''

''تھینک یو سو مچ فارس! بس یہ ہمارے درمیان رہے۔''

''ٹھیک! اور کوئی مسئلہ؟'' وہ ذرا رکا۔مگر زمر نے دوبارہ سے شکریہ کر کے فون رکھ دیا۔اب وہ بہتر محسوس کر رہی تھی۔

بے چارے پرانے اسٹوڈنٹس کتنی عزت کرتے ہیں۔کاش میڈم یاسمین بھی عزت کروانا جانتی ہوتیں۔سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

کبھی کبھی آرزو کے صحرا میں آ کے رکتے ہیں قافلے سے

صبح حنین حسب عادت بھاگم بھاگ اسکول کے لیے تیار ہوئی تھی۔زمر اور سیم بالکل تیار اس کے انتظار میں دروازے پہ کھڑے تھے۔ادھر وہ آئی' ادھر گھنٹی بجی۔زمر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ایک نوجوان باہر کھڑا تھا۔سوٹ میں ملبوس۔سن گلاسز لگائے۔ہاتھ میں لمبا سا بیگ۔

''حنین یوسف؟'' وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتی ایک طرف ہوئی۔

''کاردار صاحب نے بھجوایا ہے۔'' وہ ان کا کوئی ملازم تھا۔پیکٹ حوالے کر کے مئودب سا پلٹ گیا۔باہر اس کی کار کھڑی تھی۔

حنین قدرے حیران' قدرے الجھی ہوئی ڈبا لے کر اندر آئی۔گول میز پہ اسے رکھا۔سب ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔اس نے ذرا تذبذب سے ڈھکن اٹھایا اور پھر.....وہ سانس لینا بھول گئی۔

نیا نکور لیپ ٹاپ' آئی پیڈ' آئی فون' آئی پوڈ۔ہر جدید آلہ الگ الگ ڈبے میں تھا۔اور ان کے اوپر ایک نوٹ۔

''میں کسی کا احسان نہیں بھولتا۔اورنگزیب۔''

زمر نے نوٹ پڑھا۔ندرت نے آہستہ سے اسے بتایا کہ وہ کون ہیں۔(فارس کا وہ کزن ہاشم جس کا سعدی اکثر ذکر کرتا ہے؟ اوکے!) وہ حنین کے تاثرات دیکھنے لگی۔جواب شاک سے نکل کر خوشی خوشی سب کھولنے لگی۔ندرت البتہ چپ ہو گئیں۔

''اتنے مہنگے مہنگے تحفے۔یہ ہمیں نہیں رکھنے چاہئیں۔''

زمر سیم کو لے کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ان کی اتنی ذاتی سی گفتگو میں مخل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ نکلتے ہوئے اس نے حنین کی آواز سنی۔

''امی یار! کیا ہے؟ میں نے ان کا لیپ ٹاپ ٹھیک کیا۔ وہ شکریہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ ایسے کیسے واپس...'' وہ باہر آ گئی۔

جب حنہ کار میں آ کر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تو اپنی امی کا موبائل کان سے لگائے بات کر رہی تھی۔ زمر کو معلوم تھا کس کی کال ہوگی۔

''اس کی آدھی رات ہوگی حنہ!'' اس نے مسکرا کر کہتے کار اسٹارٹ کی مگر وہ سنے بغیر پُر جوش سی تفصیلات بتا رہی تھی۔

''لیپ ٹاپ سلور کلر کا ہے اور آئی پوڈ۔''

''میری بات سنو حنہ! تم یہ سب واپس کر دو۔'' وہ نیند سے اٹھ چکا تھا اور اب مکمل الرٹ تھا۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔ زمر نے ڈرائیو کرتے ایک نظر اس پہ ڈالی۔

''یہ سب میں تمہیں لے دوں گا۔''

''اور اگر تب میں آپ کو واپس کر دوں تو آپ کو کیا لگے گا بھائی؟ انہوں نے کوئی غریب رشتے دار سمجھ کر ترس کھا کر نہیں دیا۔ میں نے ان کا کام کیا تھا۔ انہوں نے شکریہ ادا کیا ہے۔ اگر میں تحفوں کی لالچی ہوتی تو جب وہ کبھی کبھار پوچھتے ہیں کہ فلاں ملک جا رہا ہوں تمہیں کچھ چاہیے' تو ہر دفعہ یہ کہہ کر انکار نہ کرتی کہ سوری انکل! میں بغیر وجہ کے تحفہ نہیں لیتی۔''

''اوہ اچھا!'' وہ واقعی سمجھ گیا۔ ''او کے تم رکھ لو۔ اب مجھے سونے دو۔''

حنین نے فون رکھ دیا اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ پھر قدرے الجھتے ہوئے زمر کو دیکھا۔

''اگر آپ کو کوئی ایسے تحفہ دے تو آپ رکھ لیں گی؟''

وہ اپنے عمل کی صفائی چاہ رہی تھی۔ زمر کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔ اس نے گیئر سے پچھلا خانہ کھولا اور کچھ نکال کر اس کی گود میں رکھا۔ سیاہ مخملیں ڈبی اور ایک تہہ شدہ کاغذ۔ حنین یوسف سن رہ گئی۔

''کل صبح یہ کسی نے مجھے کوریئر کیا تھا۔ پڑھو۔''

حنین کا چہرہ فق ہوا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے زمر کی شکل دیکھی۔ وہ پرسکون ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس نے دھڑکتے دل سے کاغذ اٹھایا۔ جیولری تک ٹھیک تھا۔ ماموں سے لو لیٹر کی توقع نہیں تھی۔ کاغذ کی تہیں کھولیں۔

''پہلے کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کلاس میں کبھی۔ یہ آپ پہ اس سے زیادہ سوٹ کرے گی جو آپ پہنتی ہیں۔''

(اسے لو لیٹر کہتے ہیں؟ اس سے اچھا لو لیٹر تو لنکن بروز لکھ لیتا) ماموں کی لکھائی وہ صاف پہچان گئی۔ خوف زائل ہوا۔ الجھن سے سر اٹھایا۔

''کیا آپ یہ نوز پن رکھیں گی؟''

زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''تم نے تو ابھی اسے کھولا ہی نہیں۔''

''اس میں... لکھا ہے کہ یہ آپ پہ سوٹ نہیں کرتا۔'' ناک کو انگلی سے چھوا۔ ''اگر کسی کا اتنا سینس ہے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ نوز پن زیادہ اچھی لگے گی۔ اب دیکھیں میرا گیس ٹھیک نکلتا ہے یا...'' کہتے ساتھ ڈبی کھولی۔ ہیرے کی لونگ سامنے تھی۔ حنین نے فاتحانہ 'دیکھا' کہہ کر شانے اچکائے۔

''کیا آپ کو معلوم ہے یہ کس نے بھیجا ہے؟'' ذرا احتیاط سے پوچھا۔

''اتنے بیجز پڑھائے ہیں۔ سینکڑوں اسٹوڈنٹس گزرے۔ مگر بہت کم لڑکیوں کو میرے گھر کا پتا معلوم ہے۔ انہی میں سے کوئی

ہو گی۔''

''ہو گی؟'' حنین کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''تو.....اب آپ کیا کریں گی؟''

''اس کوریئر کمپنی پر جا کر واپسی کا پتا لینے کی کوشش کروں گی۔ آخر انہوں نے بھی کیسے ڈائمنڈ جیولری کوریئر ہونے دی۔ پھر اس کو واپس کروں گی۔ کیونکہ میں اسٹوڈنٹس سے تحفے نہیں لیتی۔ یہ میرے اصولوں کے خلاف ہے۔''

''تو پھر میں بھی کاردار صاحب کو یہ سب واپس کر دیتی ہوں۔ میرے بھی کچھ اصول ہونے چاہئیں۔ بات ختم۔'' حنین نے ذرا خفگی سے کاغذ ڈبی میں رکھا۔ ڈبی واپس رکھی اور باہر دیکھنے لگی۔

زمر نے گہری سانس لی۔ حنین اور اپنے درمیان تازہ تازہ تکلف کی خلیج میں آنے والی کمی کو ایک اصول کے پیچھے.....؟ اونہوں۔ اصولوں میں ترمیم ہو سکتی ہے۔ اپنوں کے لیے سب ہو سکتا ہے۔

''او کے۔ میں اسے رکھ لیتی ہوں۔'' حنین محض سر ہلا کر باہر دیکھتی رہی۔ زمر نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''تم کیوں مسکرا رہی ہو؟''

اس نے گڑبڑا کر جبڑا سیدھا کیا اور گردن دائیں بائیں گھمائی۔ ''نہیں تو۔'' اور مزید رخ پھیر لیا۔

اسکول میں وہ دونوں ایک ستون کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ نگاہیں گیٹ پہ مرکوز تھیں۔ ''ہمیں صرف ان کا ایڈریس چاہیے یا کوئی سری کانٹیکٹ انفارمیشن۔''

''وہ رہی سبرینہ۔'' اس نے اندر آتی لڑکی کی طرف اشارہ کیا' پھر بے چینی سے زمر کو دیکھا۔

''مگر آپ اس کا نمبر پتا کیسے حاصل کریں گی؟ اس کے لیے تو آپ کو ریکارڈ روم میں جانا ہو گا یا اسکول کے ڈیٹا بیس سسٹم.....کہاں جا رہی ہیں آپ؟''

وہ جو ستون کی اوٹ سے نکل کر جانے لگی تھی' حنین کے ہڑبڑانے پہ رک کر اسے دیکھا۔ ہلکا سا مسکرائی۔

''سبرینہ سے اس کا پتا لینے۔'' اور ہکا بکا کھڑی حنین کو چھوڑ کر ذرا آگے آئی۔ تب تک سبرینہ برآمدے تک آ چکی تھی۔ حنین فوراً گھوم گئی۔ ساعت وہیں لگی تھی۔

زمر سبرینہ کے پاس سے گزرنے لگی' پھر اس کا چہرہ دیکھ کر رکی اور خوشگوار حیرت سے اسے پکارا۔

''ارے سبرینہ.....میڈم یاسمین کی بیٹی ہو نا آپ؟ کیسی ہو؟ میڈم کیسی ہیں؟''

سبرینہ رکی۔ ذرا الجھا الجھا سا مسکرائی۔

''جی میں سبرینہ.....آپ؟''

''ڈونٹ ٹیل می! تم نے مجھے نہیں پہچانا؟ بچپن میں تم کتنی ہیلدی تھیں مگر اب زیادہ پیاری ہو گئی ہو۔ امی کدھر ہیں؟ ابھی جاب کر رہی ہیں؟''

''آ.....جی امی وائس پرنسپل۔''

''کتنی آؤٹ آف ٹچ ہو گئی ہوں۔ میں بھی دوبئی چلی گئی تھی نا۔ ابھی بھتیجی کے ایڈمیشن کے لیے آئی تھی۔ ایسا کرو مجھے اپنا نمبر دے دو۔'' کندھے پہ ٹنگے پرس سے جلدی جلدی نوٹ بک اور قلم نکال کر اسے تھمایا۔ ''لینڈ لائن بھی دینا اور ایڈریس بھی دے دو۔ میں میڈم سے آؤں گی کسی دن۔'' سبرینہ کو سوچنے کا زیادہ وقت نہیں ملا۔ وہ کاغذ پہ الفاظ گھسیٹنے لگی۔

جب وہ دور چلی گئی تو زمر ستون تک واپس آئی۔ کاغذ حنین کے سامنے لہراتے ہوئے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ واقعی متحیر کھڑی تھی۔

''تم نے ابھی میری یہ والی سائیڈ دیکھی نہیں تھی حنہ!''

''واقعی زبردست پرفارمینس تھی۔'' پھر وہ حیران پریشان اسمبلی کے لیے بھاگی۔ مگر ٹھہر کر مڑی۔ ''یہ....'' ناک پہ انگلی رکھی۔ ''آپ پہ واقعی اتنی سوٹ نہیں کرتی۔'' اور بھاگ گئی۔

زمر نے کار میں واپس بیٹھتے ہوئے لمحے بھر کو آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ سونے کی بالی جیسی نتھ کیا واقعی اس پہ سوٹ نہیں کرتی؟ اونہوں....اس کو مایوسی ہوئی۔

.....❖❖❖.....

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا ..... وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

شام کی ٹھنڈی ہوا میں درختوں کے پتے سرسراتے ہوئے موسیقی بکھیر رہے تھے۔ سعدی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس خوبصورت گھر کے سامنے رکا۔ جنگلے کا چھوٹا سا گیٹ دھکیل کر کھولا اور سبزہ زار پہ آگے چلتا آیا۔

کھلا سالان' اس طرف پورچ' وہاں سے دیوار خم دار مڑتی۔ وہ موڑ مڑ کر داخلی حصے کی طرف آیا تو ایک دم ٹھٹک کر رکا۔

ہاشم کی بیوی شہرین وہاں کھڑی تھی۔ سعدی کی طرف پشت' داخلی دروازے پہ نگاہ رکھے وہ جھنجھلائی ہوئی موبائل پہ بات کر رہی تھی۔

''ہاشم کو پہلے ہی مجھ پہ شک ہے اور اب تو اس کی ماں بھی ادھر ہے۔ میں روز روز تم سے ملنے نہیں آسکتی۔ کزن ہو تو کزن بن کر رہو۔ میں۔''

بس چند سیکنڈ ہی تھے۔ سعدی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ مڑے یا آگے چلتا جائے اور تب ہی شہرین کسی احساس کے تحت پلٹی۔ فر فر چلتی زبان رکی۔ چہرہ فق ہوا۔ ایک دم کان سے لگا ہاتھ فون سمیت پہلو میں گرا دیا۔

''السلام علیکم۔'' وہ سر جھکا کر سرسری سلام کرتا دروازے کی طرف بڑھا۔

''وعلیکم....میں بہن سے بات کر رہی تھی۔'' وہ مضطرب سی بولی۔ وہ انجانا بن کر سوری کہتا رکا۔ شہرین چپ ہو گئی۔

''مسز جواہرات اندر ہیں؟''

''ہاں۔'' جلدی سے آگے آئی' دروازہ کھولا اور حلق کے بل چلائی۔ ''میری....میری۔''

میری ایجنیو دوڑتی آئی۔ شہرین نے اشارہ کیا۔ وہ فوراً سعدی کو اندر لے گئی۔ شہرین ڈور اسٹیپ پہ کھڑی اب بے چین سی اس کو جاتے دیکھ رہی تھی۔ سیاہ فام ہاؤس کیپر نکلتے دکھائی دی تو اس نے اسے روکا۔

''سنو! یہ لڑکا کون ہے؟''

''یہ سعدی ہے۔ نوشیرواں کا دوست۔''

اوہ۔ فارس کا بھانجا۔ ہاشم ذکر کرتا تھا۔ وہ اندر چلی آئی۔ جلے پیر کی بلی کی طرح ادھر ادھر چکر کاٹا۔ جواہرات اسٹڈی میں ہیں۔ اسٹڈی میں تھی لاؤنج کی بجائے۔ یعنی اس لڑکے کو اسی نے بلوایا تھا۔ اوہ نو اگر اس نے کچھ بک دیا تو؟

وہ فکرمندی سے اسٹڈی کے دروازے تک آئی۔ لکڑی کا ساؤنڈ پروف دروازہ بند تھا۔ وہ دونوں اندر تھے۔ اب؟

پھر ایک خیال ذہن میں لپکا۔ وہ گھر سے باہر آئی۔ عمارت کے اطراف سے گھوم کر اسٹڈی کی کھڑکی کے ساتھ رکی۔ لبوں

سلراہٹ آٹھہری۔ اندازہ درست تھا۔ جواہرات کھڑکی کھول کر بیٹھنے کی عادی تھی اور اس وقت بھی وہ کھڑکی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ سعدی اس کے مقابل کرسی پہ تھا۔ دونوں کے درمیان میز تھی جس پہ تازہ پھولوں کا گلدستہ تھا۔ جواہرات انگریزی طرز کے لباس میں ملبوس کہنی کرسی کے ہتھ پہ ٹکائے دو انگلیوں سے لاکٹ کا ہیرا چھیڑتی مسکرا کر اس کو سن رہی تھی۔

شہرین دیوار کے ساتھ لگی قریب سرک آئی۔ کان گفتگو پہ لگے تھے۔ اپنا نام سننے کے خوف میں۔

''ہمارے ڈیپارٹمنٹس الگ ہیں۔ میں اس کا زیادہ دھیان نہیں رکھ پاتا۔ مگر پچھلے دنوں کچھ دوستوں سے یہ سب پتا لگا تو میں نے سوچا۔'' ساتھ ہی شانے اچکا دیے۔

''میں آ گئی ہوں۔ سب سنبھال لوں گی۔'' جواہرات نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ ''میں صرف تمہارے منہ سے سب سننا چاہتی تھی۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ اس نے گھر میں بھی ڈرگز رکھی ہوں گی؟''

''مجھے نہیں معلوم۔ شاید کمرے میں ہوں۔ میں یہاں کم ہی آتا ہوں۔ مگر.... آپ اسے پیار سے سمجھائیے گا۔'' وہ فکرمند بھی تھا۔

جواہرات نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

کہتے ہیں خدا نے آسمانوں سے چار کتابیں اتاریں اور پھر پانچواں ڈنڈا اتارا۔ جوان سے نہیں مانتا وہ اس سے مانے گا۔''

''پھر بھی.... اچھا میں شیرو سے مل لوں۔'' وہ اجازت چاہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات نے اسی تمکنت سے اثبات میں سر ہلایا۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم اس کا خیال رکھتے ہو۔''

شہرین قدرے حیران سی وہاں سے ہٹی۔ چہرے پہ الجھن تھی۔ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر سنائی دیے مگر اپنا ذکر نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی سوچتی رہی پھر اندر واپس آ گئی۔

اب شیرو کے کمرے سے آوازیں آ رہی تھیں۔ دروازہ آدھا کھلا تھا۔ قریب ایک شوکیس دیوار سے لگا تھا۔ وہ وہیں کھڑے ہو کر ایک میگزین بظاہر الٹ پلٹ کرنے لگی۔

وہ اندر کاؤچ پہ بیٹھا تھا۔ بار بار گھڑی دیکھتا۔ دونوں ابھی یونیورسٹی کی باتیں کر رہے تھے۔ نوشیرواں گھر کے کپڑوں میں ہمیشہ کی طرح بے نیاز سا لگ رہا تھا۔

''کیا تم ممی سے ملے؟'' ازلی لاپروائی سے کہتے شیرو نے روم فریج سے سافٹ ڈرنک کے دو کین نکالے۔ ایک اس کی طرف اچھالا اور دوسرے میں خود دانت گاڑ دیے۔ سعدی نے کیچ کر کے سائیڈ پہ رکھ دیا۔ اسے جلد واپس جانا تھا۔

''ہاں انہوں نے ہی بلایا ہے۔ پچھلی دفعہ ان کے آنے پہ میں ملنے نہیں آ سکا تھا تو ان کا شکوہ بنتا ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے بتایا۔

''ممی بھی نا' بڑی پوزیسو ہیں۔'' شیرو نے گردن پیچھے پھینک کر گھونٹ بھرا۔ پھر سیدھا ہوا۔ ''لونا''

''اونہوں میں چلتا ہوں۔'' سعدی کی نظر کمپیوٹر اسکرین پہ پڑی۔ ''اوہ شیرو! تم اور حنین اس گیم کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟''

''ہفتے بعد لگائی ہے۔ سارا دن پڑھ پڑھ کر دماغ خالی ہو جاتا ہے۔''

سعدی نے مڑ کر دروازے کو دیکھا۔ یہاں سے آدھا لاؤنج نظر آتا تھا۔ شہرین نہیں دکھائی دیتی تھی۔

''یہ تمہاری بھابی تھیں نا' بلونڈ بالوں والی؟''

باہر کھڑی شہرین کے اعصاب تن گئے۔ بھنویں بھنچ گئیں۔

''لو.... کوئی بلونڈ نہیں ہے وہ۔ بال ڈائی کرواتی ہے۔ ہر تیسرے مہینے یہاں سے پانچ سو پونڈ کا ہیئر ڈو کروا کر جاتی ہے۔'' وہ پھر

سے ہنسا۔

''کس طرح کی ہیں تمہاری بھابی؟'' سرسری سا پوچھا۔

''صبح صبح اتنا میک اپ کر کے کمرے سے نکلتی ہے۔ پھر سارا شہر گھومتی ہے۔ بھائی کا پیسہ بے تحاشا جھونکتی ہے۔ سونیا کا خیال بھی نہیں رکھتی۔ بھائی سے اکثر جھگڑا رہتا ہے۔ تمہیں کیسی لگی؟'' گردن پیچھے کر کے گھونٹ بھر کے وہ کہہ رہا تھا۔

''ہوں' اچھی ہیں۔'' وہ جانے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ تب تک شہرین اپنے کمرے میں غائب ہو چکی تھی۔ دروازہ بند کر کے وہ بستر کے کنارے آ بیٹھی۔ چہرہ احساس ہتک سے سرخ پڑ رہا تھا۔ آنکھوں میں اضطراب' پریشانی' غصہ سب تھا۔ وہ بے چینی سے کمرے میں چکر کاٹتی رہی۔

پھر کافی دیر بعد باہر نکلی تو گھر میں خوب شور مچا تھا۔

''میں نے تم پہ اعتبار کیا مگر تم اس قابل نہیں تھے۔ بالکل اپنے باپ پہ گئے ہو۔ وہی مزاج' وہی غصہ' وہی عادتیں۔ ایک وہ فارس کم تھا تمہارے باپ کی کاپی' اسے گنز کا شوق ہے اور تمہیں.... تمہیں اس کا۔''

شہرین حیران مگر محتاط سی قدم قدم چلتی شیرو کے کمرے کے دروازے تک آئی۔ وہ پورا کھلا تھا۔ اندر شیرو شاکڈ' شرمندہ' بوکھلایا سا کھڑا تھا اور بار بار ماں کو روک رہا تھا جو بپھری ہوئی شیرنی کی طرح ایک ایک دراز کھول کر چیزیں باہر پھینک رہی تھی۔

شہرین نے بازو سینے پہ لپیٹ لیے اور ذرا سکون سے دیکھنے لگی۔

''ممی پلیز میں....''

''میرا دل چاہ رہا ہے ابھی پولیس کو فون کروں اور کہوں کہ اس ڈرگ ڈیلر کو آ کر لے جائیں میرے گھر سے۔ یہ میرا گھر ہے' سنا تم نے؟ یہ میرا گھر ہے۔'' وہ چلاتی ہوئی وارڈ روب سے کپڑے نکال نکال کر فرش پہ ڈال رہی تھی۔ دو سفید سرمئی بوٹیوں والے پیکٹ بھی باہر آ گرے۔ شیرو نے سر جھکا دیا۔

''میرے بغیر تم کیا ہو؟ میرے بغیر تمہارا باپ کیا تھا؟ یہ اس کی ساری جائیداد.... یہ میری عطا کی ہوئی ہے۔ یہ سب میرا باپ چھوڑ کر مرا تھا۔ تمہارا باپ لے کر پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور تم....'' کسی دراز کی پشت پہ بازو لمبا کر کے ہاتھ ڈالا اور دو پیکٹ باہر نکال کر زور سے شیرو کے پیر پہ پھینکے۔ ''تمہیں آج میں اس گھر سے باہر نکال دوں تو کہاں جاؤ گے؟ سڑکوں پہ سوؤ گے اور وہیں بھیک مانگو گے۔ اور اگر تمہارے باپ کو یہ سب بتا دیا تو وہ تمہارا کیا حال کرے گا معلوم ہے؟''

کمرا سارا بکھر چکا تھا۔ شیرو جز بز سا کھڑا تھا۔ غصہ' پشیمانی' بے بسی' سب جذبات مل گئے۔ ممی کو ایک دم کیسے....'

''یہ یہ اوقات ہے تمہاری؟'' جواہرات نے جھک کر سفید پیکٹ اٹھایا اور زور سے شیرو کو دے مارا۔ وہ اس کے سینے سے لگ کر پیروں میں جا گرا۔ ''یہ فیوچر ہے تمہارا؟'' وہ جھکی۔ میز سے اپنا موبائل اٹھایا۔ چہرے کے سامنے لائی۔ کیمرے کے کلک کلک پہ نو شیرو اس نے ہڑبڑا کر سر اٹھایا۔ وہ تصویریں اتار چکی تھی۔

''ممی.... آپ کیا....''

''ممی مت کہنا مجھے۔'' شیرنی غرائی۔ ''اگلے آدھے گھنٹے میں بغیر کسی ملازم کی مدد کے تمہارے کمرے کی ایک ایک چیز درست جگہ پہ نہ گئی اور یہ ساری ڈرگز تم نے آتش دان میں نہ جھونکیں تو میں یہ تصویریں تمہارے باپ اور بھائی کو ای میل کر رہی ہوں۔ آدھا گھنٹہ ہے تمہارے پاس۔ سنا تم نے؟'' وہ ہیل والی سینڈل سے گری چیزوں کو ٹھوکر مار کر شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتی دروازے کی طرف بڑھی۔ شہرین فوراً پیچھے ہو گئی۔ اور نو شیرو چکرا گیا۔

''کیا آدھا گھنٹہ؟ میں اتنی جلدی....؟''

جواہرات ایڑیوں پہ واپس گھومی۔''اب تمہارے پاس بیس منٹ ہیں۔ایک لفظ مزید منہ سے نکالو اور یہ دس منٹ میں بدل جائیں گے۔''سختی سے گھور کر وہ باہر نکلی اور ٹھاہ سے دروازہ بند کیا۔

نوشیرواں نے سر دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔پھر بے اختیار چہرہ اٹھا کر گھڑی دیکھی۔اوہ نو۔جلدی سے وہ زمین پہ گری چیزیں اٹھانے لگا۔

مگر ممی کو شک کیسے ہوا؟ اتنی اچانک؟

.....❖❖❖.....

یوں بہار آئی ہے امسال کہ گلشن میں صبا ..... پوچھتی ہے گزر اس بار کروں یا نہ کروں

بڑے ابا کے لونگ روم میں خاموشی کا وقفہ بس چند لمحے کو آیا تھا۔ندرت اپنا مدعا بیان کر کے قدرے بے بسی سے باری باری ساس سسر کو دیکھنے لگیں۔بڑے ابا چپ سے ہو گئے۔پہلے فرحانہ بیگم کی طرف دیکھا جو اگلے ہی پل قطعیت سے نفی میں سر ہلا رہی تھیں۔

''یہ ناممکن ہے۔ہماری طرف سے انکار سمجھو ندرت!''

''فرحانہ!''بڑے ابا نے تنبیہی انداز میں ان کو دیکھا مگر کچھ معاملات میں ان کا زور اپنے شوہر پہ بہت چلتا تھا اور یہ انہی میں سے ایک تھا۔

''نہیں بھئی' یہ نہیں ہو سکتا۔ہم تمہارے بھائی کو نہیں جانتے۔ایسے کیسے کسی کو اپنی بیٹی دے دیں۔''وہ اپنی ناگواری ضبط کر رہی تھیں۔

''مگر بڑے ابا اس کو جانتے ہیں۔اور آپ وارث سے پوچھ سکتی ہیں۔وہ....''

''لو....وہ بھی تو تمہارا ہی بھائی ہے۔طرف داری ہی کرے گا۔''

''ہم سوچ کر بتائیں گے ندرت!''وہ ذرا بلند آواز میں بولے تو فرحانہ خاموش ہوئیں۔ندرت پھیکا سا مسکرائیں۔قدرے خالی سے ساس کی بڑبڑاہٹ دیکھی اور اپنا پرس وغیرہ سمیٹنے لگیں۔وہ مایوس تھیں اور بڑی امی طیش میں۔ان کے جانے کی دیر تھی کہ وہ بڑے ابا پہ برس پڑیں۔

''ندرت کی ہمت کیسے ہوئی اپنے بھائی کا رشتہ زمر کے لیے مانگے۔''

''جیسے ہماری ہمت ہوئی تھی آپ کی بیٹی کے بھائی کا رشتہ ندرت کے لیے مانگنے کی۔''وہ بھی بڑے ابا تھے۔تحمل اور سکون سے جواب دیا۔وہ مزید تلملا گئیں۔

''تب مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ ایسی نکلے گی۔بچوں کو بھی اپنی طرح کا بنا دیا ہے' زبان دراز۔''

''وہ یتیم بچے ہیں فرحانہ!یتیموں کو نڈر بنانا چاہیے۔وہ بدتمیز نہیں ہیں۔''

''بہرحال!ہم ندرت کے بھائی کی طرف رشتہ نہیں دیں گے۔وہ فضیلہ کے بیٹے میں آخر کیا برائی ہے۔ادھر ہاں کر دیتے ہیں۔اب سے وہ جواب مانگ رہے ہیں۔''

''فضیلہ بھی تو ندرت کی رشتہ دار ہے۔اس کا بیٹا فارس سے اچھا نہیں ہے۔''

''رہنے بھی دیں۔فضیلہ میری امی کی طرف سے بھی رشتہ دار لگتی ہے' ہاں۔''وہ مزید بگڑ گئیں۔

''آپ زمر سے پوچھ لیجئے فرحانہ!دونوں رشتے بتا دیجیے جو اس کا فیصلہ ہو۔''خلاف معمول بڑی امی اس تجویز پہ خاموش ہو گئیں۔

''ٹھیک ہے۔آپ کچھ مت کہیے گا۔ میں خود زمر سے بات کرلوں گی۔اگر اس نے فارس کے لیے انکار کر دیا تو پھر آپ حماد کے لیے انکار نہیں کریں گے۔''

بڑے ابا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔البتہ وہ متفکر اور متذبذب تھے۔کیوں' ان کی خود بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

جو فرق صبح پر چمکے گا تارا' ہم بھی دیکھیں گے

وہ شام بہت سہانی اتر رہی تھی۔زمر نے وسط کالونی میں کار روکی اور گردن موڑ کر حنین کو دیکھا۔

''تمہیں یقین ہے تم میرے ساتھ آنا چاہتی ہو؟'' آج زمر کے دو دن کا وقت تمام ہوا تھا اور وہ تیار تھی۔

''پازیٹیو!'' وہ گردن اکڑا کر بولی۔ماتھے پہ کٹے بال چھوڑ کر باقی فرنچ چوٹی میں بندھے تھے اور عینک کے پیچھے جھانکتی آنکھوں میں بلا کا اعتماد تھا اور مسکراہٹ بھی۔

''یہ لونگ اچھی لگ رہی ہے آپ پہ۔'' ساتھ ہی اس نے جلدی سے جبڑا سیدھا کرلیا۔

زمر نے ''تھینکس'' کہہ کر ڈیش بورڈ سے پھولا ہوا خاکی لفافہ اٹھایا۔کار بند کی اور باہر نکل آئی۔

گھنٹی بجا کر دونوں منتظر سی گیٹ پہ کھڑی تھیں۔زمر حنین سے دراز قد تھی۔گھنگھریالے بال جوڑے میں بندھے اور سنجیدہ چہرہ وہ لونگ واقعی اچھی لگ رہی تھی۔پُرسکون' ٹھنڈے تاثرات۔حنین البتہ پُرجوش تھی۔

خراماں خراماں چلتے وہ صاحب گیٹ تک آئے۔''جی؟''

''میں ڈسٹرکٹ کورٹ سے آئی ہوں زمر یوسف۔مسز یاسمین سے ملنا ہے۔''

انہوں نے باہر جھانکا۔''کس سلسلے میں؟''

''اگر آپ اگلے تیس سیکنڈ میں مجھے عزت سے اندر نہ لے کر گئے تو میں یہ کورٹ آرڈر (خاکی لفافہ لہرایا) واپس جج کے پاس جاؤں گی اور کہوں گی کہ آپ نے کورٹ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا ہے۔کل آپ کو جسٹس صدیقی کے پاس حاضر ہونا پڑے گا توہین عدالت کے زمرے میں اور....آپ دروازہ کھول رہے ہیں یا میں جاؤں؟''

صاحب کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔البتہ دروازہ انہوں نے پھر بھی قدرے تذبذب سے کھولا۔اندر بیٹھک نما ڈرائنگ روم! بیرونی دروازے سے لے آئے۔انہوں نے پائیدان پہ جوتے اتارے تھے۔اندر نرم قالین تھا۔زمر نے پائیدان کو دیکھا اور پھر اپنے جوتوں سمیت چلتی اندر آئی۔ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر سنگل صوفے پہ بیٹھی۔حنین بھی آنے لگی۔پھر نگاہ ڈرائنگ روم کی دیوار پہ اعلیٰ اکیڈمک شیلڈ پڑی۔اس نے رک کر پائیدان پہ جوتے اتارے اور زمر کے قریب دوسرے صوفے پہ آ ٹکی۔

''میرے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں۔مسز یاسمین کو بلائیے۔'' زمر نے گھڑی دیکھتے ہوئے سپاٹ انداز میں صاحب کو مخاطب کیا وہ فوراً اندر چلے گئے۔مسز یاسمین جلد ہی ان کے ہمراہ آئیں۔زمر کو دیکھ کر کچھ الجھی ہوئی استقبالیہ مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا اور بیٹھتے! حنین پہ نظر پڑی جو ان کی آمد پہ کھڑی ہو گئی تھی تو چونکیں۔دوبارہ زمر کو دیکھا۔

''یہ میری بھتیجی ہے۔'' وہ سرد آنکھوں کے ساتھ ان کو دیکھتے ہوئے بولی۔میڈم نے اب کے ذرا سنجیدگی سے حنین کو گھور کر دیکھا اب گھٹنے ملا کر بیٹھی تھی البتہ گردن ویسے ہی تنی ہوئی تھی۔

''آپ کس سلسلے میں....؟''

مگر زمر نے ان کو سوال پورا نہیں کرنے دیا۔وہ صاحب واپس جا رہے تھے۔اس نے ان کو پکارا۔

''آپ کدھر جارہے ہیں محمود الرحمن جاوید صاحب! ساری بات آپ کے سامنے ہی ہوگی۔'' وہ متذبذب سے واپس آبیٹھے۔ بیوی کو دیکھا۔ وہ مشتبہ نظروں سے زمر کو دیکھ رہی تھیں۔

''پاکستان پینل کوڈ پڑھا ہے کبھی آپ نے؟''

''جی؟''

''extortion ایک جرم ہے۔ آرٹیکل 384' تین سال قید یا پھر جرمانہ یا دونوں۔ بلیک میل کرنا بھی جرم ہے۔ آرٹیکل 387' سات سال قید یا جرمانہ یا دونوں۔ اس وقت آپ یہ دونوں کر رہی ہیں اور بالکل بھی مجھے درمیان میں مت ٹوکیے گا کیونکہ میری بھتیجی کے ساتھ یہ دونوں جرائم کرنے پہ آپ پہ سزا واجب ہوئی ہے۔ آپ اس کو فورس کر رہی ہیں کہ یہ آپ کی بیٹی کے لیے نوٹس بنائے ورنہ آپ اسے اسکول سے نکال دیں گی.... اوہ شاید آپ نے اپنے شوہر کو نہیں بتایا۔'' محمود الرحمن صاحب اچنبھے سے باری باری دونوں کو دیکھتے۔

''یہ سراسر جھوٹ ہے۔ آپ میرے ہی گھر میں آکر مجھ پہ ہی الزام کیسے لگا سکتی ہیں؟''

زمر نے خاکی لفافہ اٹھایا۔ کاغذ نکالے' شرٹ سے سامنے رکھے۔

''محمود صاحب! آپ نے جی الیون میں ایک پلاٹ پہ ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔'' مسز یاسمین جو ضبط طیش میں ابھی بہت کچھ بولنے کا ارادہ رکھتی تھیں' ایک دم سناٹے میں رہ گئیں۔ محمود صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

''آپ کے خلاف فیصلہ آیا تھا اور آپ نے فیصلے پر اسٹے آرڈر لے لیا تھا۔ اور یہ جو دوسرے کاغذات ہیں' یہ میں کل عدالت میں جمع کرواؤں گی جس کے بعد آپ کا اسٹے آرڈر کینسل ہو جائے گا۔ آگے جو ہوگا وہ آپ جانتے ہیں۔''

''یہ بچی جھوٹ بول رہی ہے۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔'' وہ پھر سے عالم طیش میں آکر بولنے لگیں۔ محمود صاحب یکے بعد دیگرے کاغذات کو دیکھ رہے تھے اور رنگت اڑتی جارہی تھی۔

''کیا ثبوت ہے اس کے پاس کہ میں نے ایسا کہا ہے؟''

اپنے ہاتھوں کو دیکھتی حنین نے سر اٹھایا اور آئی فون کی سیاہ اسکرین ان کے سامنے کی۔

''میم.... اس دن کی ہماری اسٹاف روم کی گفتگو میں نے اس میں ریکارڈ کر لی تھی۔'' بڑے ادب سے گزارش کی۔ میم کو ایک دم سانپ سونگھ گیا۔ بالکل چپ ہوگئیں۔

''آپ بالکل بھی نہیں چاہیں گی کہ ہم یہ گفتگو پرنسپل صاحبہ کو سنوائیں۔ رائٹ؟'' زمر نے سادگی سے سوال کیا۔ وہ دونوں خاموش تھے۔

''چائے تو نہیں پلوائیں گے آپ؟'' اگلا سوال مزید سادگی سے پوچھا۔

''دیکھیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ....'' اگلے پانچ منٹ وہ ان کو ہاتھ اٹھا کر سمجھاتے رہے۔ معذرت' یقین دہانی۔ مسز یاسمین بالکل خاموش بیٹھی رہیں۔

گاڑی میں بیٹھ کر دروازہ بند کر کے زمر نے سوچتی نظروں سے حنین کو دیکھا جو سیٹ بیلٹ باندھ رہی تھی۔

''یہ فون تو تمہیں کاردار صاحب نے میم سے آخری گفتگو کے بعد نہیں دیا تھا؟''

حنین نے شرارت سے لب دبائے نظریں اٹھائیں۔

''پھپھو! میری بھی ایک سائیڈ ایسی ہے جسے آپ نہیں جانتیں۔''

وہ ہنس کر کار اسٹارٹ کرنے لگی۔

''ویسے آپ میری پرنسپل سے بھی تو بات کر سکتی تھیں' ہے نا؟'' اسے ابھی خیال آیا۔

''میں نے مسئلہ حل کرنے کا وعدہ کیا تھا' مسز یاسمین کو تمہارا دشمن بنانے کا نہیں۔''

حنین کے لب ''اوہ'' میں گول ہوئے۔ پھر مسکرا دی۔ ''تھینکس!''

تمہارے فارس ماموں کا آج شام تمہاری طرف آنا ہوگا؟ وہ عموماً ویک اینڈز پہ آتے ہیں نا۔ مجھے ان سے کچھ بات کرنی تھی۔ اسی لیے سوچا ملاقات ہو جائے تو اچھا ہے۔'' حنین نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا۔ وہ پرسکون سی ڈرائیو کر رہی تھی۔

''وہ.... شام میں آئیں گے' کہا تو تھا۔ آپ تھوڑا سا گھر چل کر ویٹ کر لیں گی نا؟''

''شیور!''

حنین سامنے ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔ انگلیاں بھی مروڑتی رہی۔ پھر ذرا کی ذرا زمر کو دیکھا۔ ''یہاں روک دیں۔ پودینہ لے لوں میں۔''

''پودینہ کیوں؟'' وہ مارکیٹ کے قریب کار لے گئی۔

''جب چٹنی بناؤں گی تو امی کو لازمی پکوڑے بنانے پڑیں گے۔ سمجھا کریں نا۔''

وہ سبزی کی دکان کی طرف آئی اور ذرا اوٹ میں کھڑی ہوئی کہ دور پارکنگ میں موجود زمر اس کو نہ دیکھ پائے۔ جلدی سے موبائل پہ (جس میں امی کی سم تھی) کال ملائی۔

''ماموں! آپ اسی وقت ہمارے گھر آ سکتے ہیں؟''

''نہیں۔'' وہ مصروف تھا۔

حنین نے فون کان سے ہٹا کر اسے گھورا۔

''امی پکوڑے بنا رہی ہیں۔''

''میں ڈائننگ پہ ہوں۔''

''افوہ! پھپھو آئی ہوئی ہیں۔ ان کو کوئی ضروری بات کرنی ہے۔ آپ نے نہیں آنا تو نہ آئیں۔ میں کہہ دیتی ہوں کہ وہ آپ سے فون پہ ہی بات کر لیں۔'' وہ جل کر بولی۔ امید تھی کہ اب وہ فوراً ہامی بھر لے گا مگر....

''شیور! ان کے پاس میرا نمبر ہے۔ اب میں کام کر لوں؟''

''نہیں نہیں.... ایک منٹ.... رکیں۔'' وہ گھبرا کر بولی۔ ''میں نے پھپھو سے کہا ہے کہ ان کا پیغام دے چکی ہوں اور آپ نے حامی بھر لی ہے۔ اب مجھے جھوٹا ثابت کرنا ہے تو مرضی ہے۔ بائے۔'' جلدی سے فون بند کر دیا اور سبزی والے کو پیسے دینے لگی۔

.....❖❖❖.....

ہاں جرم وفا دیکھیے کس کس پہ ہے ثابت ..... وہ سارے خطاکار سردار کھڑے ہیں

شہرین نے دروازہ کھٹکھٹایا پھر دھکیل دیا۔

شیرو کاؤچ پہ آڑا ترچھا لیٹا تھا۔ نگاہیں پھیر کر بگڑے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا جو چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ باب کٹ سنہرے بال چونچ کی طرح دونوں اطراف میں آگے کو آتے۔ آنکھوں میں ہمدردی تھی۔

''مجھے افسوس ہے جو تمہارے ساتھ ہوا۔''

''بہت شکریہ۔'' اس نے تلخی سے کہہ کر چہرہ پھیر لیا۔ پھر چونک کر واپس دیکھا۔ ''بھائی کو تو نہیں پتا؟''

''میں بالکل بھی ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی کی پشت پہ اس کی شکایت لگاتے ہیں۔ مسز کاردار نے بتا دیا ہو تو وہ الگ بات ہے۔'' وہ انگلیاں بالوں میں اوپر سے نیچے لاتے ہوئے سوچ کر کہنے لگی۔ ''ان کو ایک دم کیسے پتا چل گیا کہ ڈرگز تمہارے کمرے میں ہی ہوں گی؟''

''لو.... ممی کے لیے چہرے پڑھنا کیا مشکل ہے۔''

''تمہارا چہرہ تو آتے ساتھ ہی پڑھ چکی تھیں کئی دفعہ۔ میں تو یہ سوچ کر حیران ہوں کہ وہ ٹھیک بیٹھی تھیں اسٹڈی میں' پھر اچانک....'' ا اوا اندیا۔ ''تمہارے دوست کے جاتے ہی ان کو کیا ہو گیا۔''

نوشیرواں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''سعدی کے جاتے ہی؟''

''ہاں' وہی تمہارا دوست۔ کافی دیر بیٹھا رہا ممی کے ساتھ۔ اچھی گپ شپ ہے اس کی تمہاری ممی سے۔ وہاں بھی اس کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ ممی کا تو آنے کا پروگرام بھی نہیں تھا۔ یہ تو ہم شام کی چائے پی رہے تھے جب ممی کو کوئی میسج آیا۔ شاید اسی کا تھا۔ تو انہوں نے فوراً آنے کا پلان بنا لیا۔ شاید کوئی ضروری بات ہو گی جس سے ممی کو مطلع کرنا ضروری ہو گا۔'' بہت سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتی وہ واپس پلٹی۔ پھر ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ آنکھیں سکیڑ کر' کافی ہمدردی سے۔ ''شیرو! تمہیں نہیں لگتا کہ تمہیں اپنے جیسوں سے دوستی کرنی چاہیے۔ کہاں تم کہاں وہ'' اور باہر چلی گئی۔

نوشیرواں الجھا الجھا سا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر ایک دم اٹھا۔

شہرین نے کچن سے جھانک کر دیکھا۔ وہ ممی کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ وہ پرسکون سا مسکرا دی۔ شیرو کے دوست کا داخلہ تو اس گھر میں بند ہوا کہ ہوا۔

نوشیرواں اندر آیا۔ جواہرات باتھ روم میں تھی۔ موبائل بیڈ سائیڈ پہ پڑا تھا۔ اس نے احتیاط سے باتھ روم کے دروازے کو دیکھتے وہ ہاتھ اٹھایا اور پیغامات کھولے۔ سعدی کے نام سے اکا دکا پیغام تھے۔ وہ سر جھٹکتا فون رکھنے لگا۔ پھر کسی خیال کے تحت رکا۔

باتھ روم کا دروازہ اب بھی بند تھا۔ وہ فون ہاتھ میں لیے چمکتی اسکرین پہ چند بٹن اور دبانے لگا۔ جی میل کھولی۔ جواہرات کی میلز ساتھ تھیں۔ ذرا سا صفحہ اوپر کیا اور یہ رہا سعدی کی میلز کا تھریڈ۔ اوپر نیچے تمام گفتگو۔ گویا مکالمہ تھا۔

''شیرو کیا کر رہا ہے آج کل؟ ڈرگز تو نہیں لے رہا؟ کس سے دوستی ہے' ڈرگز تو نہیں لے رہا؟ پڑھائی کیسی جا رہی ہے' ڈرگز تو نہیں لے رہا؟'' جواہرات کے طویل سوال اور سعدی کے مختصر جواب۔ مگر جواب بہر حال جواب ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے پرانے پیغام کھلتے گئے' اس کا ماتھا الجھن سمٹ کر چہرے پہ آتا گیا۔ لب بھنچ گئے۔

وہ تولیے سے بال تھپتھپاتی باہر نکلی تو ٹھٹک کر رہ گئی۔ شیرو کا لال بھبھوکا چہرہ موبائل کی لائٹ میں دہک رہا تھا۔ وہ تولیہ پھینک کر لپک آئی۔ نرمی سے اسے پکارا۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟''

اس نے شعلہ بار نگاہیں اٹھائیں۔ اسکرین سامنے لہرائی۔ جواہرات نے اسکرین کو نہیں دیکھا۔ وہ بے چینی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''وہ میری جاسوسی کرتا تھا آپ کے لیے؟''

''شیرو! تم دوبارہ ڈرگز نہیں لو گے۔ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔'' اس نے شیرو کا بازو تھاما۔

''نہیں لوں گا' نہیں لوں گا۔ کتنی دفعہ بتاؤں؟ مگر اسے میں نہیں چھوڑوں گا۔'' موبائل بیڈ پہ پھینکا اور بازو غصے سے چھڑاتا باہر

نکل گیا۔

جواہرات نے فوراً فون اٹھایا اور سعدی کا نمبر نکالا۔ کال بٹن پہ ہاتھ رکھا' پھر رک گئی۔ وہ ڈرگز نہیں لے گا' یہ تسلی تھی تو دوستوں کے آپس کے معاملے میں اسے پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ اونہوں۔

شانے ذرا اچکا کر اس نے فون پرے ڈال دیا۔

.....❖❖❖.....

اب نہ وہ میں ہوں' نہ تو ہے' نہ وہ ماضی ہے فراز ..... جیسے دو سائے تمنا کے سرابوں میں ملیں

گرما گرم پکوڑوں کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔ زمر اپنے مخصوص صوفے پہ بیٹھی تھی۔ سیم اس کے پیروں کے قریب کارپٹ پہ بلاکس جوڑ توڑ رہا تھا۔ حنین کافی پرجوش سی برتن لگا رہی تھی۔ زمر کو دیکھتی تو شرما کر مسکرا دیتی۔ وہ بھی مسکرا دیتی۔

فارس ابھی ابھی آیا تھا اور سوائے سلام کے کچھ نہیں بولا تھا۔ سلام میں بھی وقفہ دیا کہ زمر کی لونگ دیکھ کر وہ ذرا سا رکا تھا' پھر ریموٹ اٹھا کر چینل بدلنے لگا۔ آفس سے آیا تھا' کوٹ ٹائی سب ہٹ تھا۔

''یہ.... اچھی لگ رہی ہے۔'' ندرت کچن سے ادھر آئیں تو صوفے سے کچھ اٹھاتے ہوئے زمر کی بدلی ہوئی لونگ دیکھی۔ حنین نے ذرا بلند آواز میں تبصرہ کرتے پلیٹیں لگائیں۔

''یہ پھپھو کو ان'' کی'' کسی پرانی اسٹوڈنٹ نے گفٹ کی ہے۔ ساتھ میں ایک نوٹ بھی تھا۔ میں نے بھی پڑھا وہ نوٹ۔ ویسے.... پھپھو! آپ نے اس کی لکھائی نہیں پہچانی؟ ماموں لیں نا۔'' ساتھ ہی ماموں کو پلیٹ پکڑائی۔ اس نے بنا کسی تاثر کے سنجیدگی سے پلیٹ لے کر سائیڈ پہ رکھ دی۔ پکوڑے ابھی کڑاہی میں تھے۔

''نہیں۔ اتنا پیپر ورک ہوتا ہے' پہچاننا مشکل ہوتا ہے۔'' زمر سادگی سے ندرت کو قدرے آہستہ آواز میں بتا رہی تھی۔ ندرت دوبارہ کچن میں آئیں تو حنین ساتھ چلی آئی اور کچن کا لاؤنج میں کھلتا دروازہ بند کر دیا۔ کڑاہی میں پکوڑا ڈالتی ندرت نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''دروازہ کیوں بند کیا؟''

(تاکہ ہیرو وہیروئن سے اپنے پروپوزل پہ تبادلہ خیال کر لے اور آپ درمیان میں انٹری نہ دیں۔)

''دھواں لاؤنج میں جا رہا تھا۔'' ایگزاسٹ چلا کر آستین موڑتی وہ چٹنی بنانے کھڑی ہو گئی۔

''آج تم اس موئے کمپیوٹر اور علیشا کو چھوڑ کر کچن میں گھسی ہو' حیرت ہے۔'' امی کی شکایت نظر انداز کر کے وہ سر جھکائے مسکراتے ہوئے چٹنی کوٹنے لگی۔

لاؤنج میں ٹی وی کا شور تھا یا سیم کی خود سے کی جانے والی باتیں۔

''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی فارس!'' قدرے تذبذب سے اس نے آغاز کیا۔ ریموٹ رکھ کر رخ اس کی طرف کیا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''کس سلسلے میں؟''

''ایک کیس کے سلسلے میں۔''

وہ ذرا چونکا۔ اس نے سمجھا تھا شاید.... اونہوں' یہ کوئی اور معاملہ تھا۔

''آپ کو تو پتا ہے بعض دفعہ ایک وکیل استغاثہ میں ہوتا ہے اور جج ایسا فیصلہ سنا دیتا ہے جو دوسرے فریق کے لیے خوشگوار نہیں ہوتا۔'' رک رک کر الفاظ ادا کیے۔ فارس نے سر ہلا کر ساری بات ڈی کوڈ کی۔

''یعنی آپ کی وجہ سے کسی کو سزا ہو جاتی ہے۔ ہوں' پھر؟''

وہ ذرا دیر کو چپ ہوئی۔ ''میرے ایک کیس کا فیصلہ اسی طرح ہوا تھا۔ مجرم کا بھائی اس سے خوش نہیں تھا اور وہ اس کا اظہار بھی کر

''یعنی اس نے آپ کو دھمکیاں وغیرہ دی ہیں۔ ہوں' آگے؟''

''آ.....جی.....آپ جانتے ہیں ہمارے خاندان میں.....''

''آپ معاملہ گھر تک نہیں لے جانا چاہتیں' باہر ہی باہر حل کرنا چاہتی ہیں۔'' اس دفعہ فقرہ ہی نہیں پورا ہونے دیا۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

''میں چاہتی ہوں کہ یہ معاملہ میں.....'' وہ رک گئی۔ بات لپیٹ کر کرنے کا فائدہ نہ تھا۔ وہ شخص اسکول کی ٹیچر نہیں تھا جس سے وہ ہچکچاہٹ' معذرت سے پیچھا چھڑا سکتی تھی۔

''اگر میں آپ کے ڈیپارٹمنٹ میں اس کی شکایت درج کرواؤں تو اس شخص کی ہراس منٹ روکنے کا طریقہ کار کیا ہوگا؟''

''کوئی مسئلہ نہیں۔'' وہ پیچھے ہو کر بیٹھا۔ کان کی لو رگڑتے ہوئے لاپروائی سے شانے اچکائے۔ ''میں ڈائریکٹر سے بات کر لوں گا۔ ایک لیٹر اسے پک کر لے گی۔ دو چار ہاتھ لگیں گے تو دماغ درست ہو جائے گا اس کا۔''

زمر کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔ فوراً نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں پلیز میں تشدد پہ یقین نہیں رکھتی۔ یہ مسئلہ بات چیت سے حل ہو سکتا ہے۔ سب کے اندر اچھائی کا عنصر ہوتا ہے۔ ہمیں صرف اسے باہر لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''آپ دو گھنٹے کے لیے اسے میرے لڑکوں کے حوالے کر دیں۔ ساری اندر کی اچھائی باہر آ جائے گی۔'' پھر اس کے تاثرات دیکھ کر چپ ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے یہ ذکر ہی بھول جانے کا کہہ دیتی' وہ قدرے نرمی سے بولا۔

''ٹھیک ہے۔ بات کر لیتے ہیں پھر۔ میں مل لوں گا اس سے۔ مرد کا بات کرنا اور ہوتا ہے۔''

''اوکے!'' اس نے سر ہلایا۔ ذرا تسلی ہوئی۔ ''وہ آدمی آج کل کورٹ آتا ہے روز' اپیل کے چکر میں۔ اگر آپ صبح آ جائیں تو میں بلوا دوں گی۔''

''شیور!'' قدرے ٹھہر کر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''کوئی اور مسئلہ؟''

''نہیں' بس یہی تھا۔ تھینکس!'' وہ ہلکا سا مسکرائی۔ فارس نے گھڑی دیکھی اور آواز دی۔

''حنین! لا رہی ہو یا میں جاؤں؟''

''نہیں لا رہی۔ آپ جائیں۔'' وہ ڈش اٹھا کر آتی ہوئی بڑے موڈ میں بولی۔ آج وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

خالی ہاتھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فراز ..... کس طرح لوگ لکیروں سے نکل جاتے ہیں

پکوڑے ختم ہو گئے۔ زمر چلی گئی۔ امی نماز پڑھنے کمرے میں گئیں تو فارس ان کے پاس چلا گیا۔ اب حنین تھی اور آن لائن علیشا۔

''میرا مسئلہ حل ہو گیا۔'' اس نے چہکتے ہوئے اطلاع دی۔ علیشا عادتاً ہنسی۔

''ہمت کی یا زیادہ ہمت والا ڈھونڈا؟''

''زیادہ ہمت والی کو ڈھونڈ کر کچھ ہمت کر لی۔'' پھر خیال آنے پہ سیل فون اٹھا کر دکھایا۔

''یہ دیکھو.... مجھے گفٹ ملا۔''

''واؤ۔ بریسلٹ نیو؟'' وہ بھی پرجوش سی آگے ہو کر دیکھنے لگی۔

''ہاں اور بھی بہت کچھ ہے۔ ایک امیر سے انکل ہیں ہمارے احباب میں۔'' وہ کالر جھاڑ کر بولی۔

''واقعی؟ اور وہ کون ہیں؟''

''میرے انکل کے انکل۔ یہ پیچیدہ رشتہ داریاں تم نہیں سمجھو گی۔ اچھا مجھے ایک بات بتاؤ، تم نے اس جیولرز والی گیم میں....'' لینڈ لائن فون کی گھنٹی پہ وہ بدمزا ہوئی۔ آگے بڑھ کر نمبر دیکھا۔ بڑے ابا کے گھر سے تھا۔ دوسری گھنٹی پہ فون خاموش ہو گیا۔ امی نے اندر سے اٹھا لیا ہو گا۔ وہ مطمئن سی ہو کر بات کرنے لگی۔ پھر ایک دم رکی۔ جلدی سے علیشا کو بائے کہا اور آہستہ سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

حسب توقع بڑی امی ہی تھیں۔ وہ چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ سننے لگی۔

''میں نے تو پہلے ہی بتا دیا تھا زمر نہیں مانے گی۔ اس نے تو صاف انکار کر دیا ہے۔''

''مگر.... میں خود بات کر کے دیکھوں، شاید....'' ندرت کو اب بھی آس تھی۔

''بھئی جب اس نے انکار کر دیا تو کیا گنجائش رہ گئی۔ دیکھو برا نہ ماننا، مگر وہ اسے جانتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ مزاج کا بہت سخت اور غصے والا ہے، وائلڈ سا۔ اس کے ساتھ کیسے گزارہ کرے گی وہ؟''

حنین نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔ بارہ بج گئے تھے اور سنڈریلا کی سواری جس پہ وہ اڑتی جا رہی تھی، بدصورت کدو میں بدل کر زمین بوس ہوئی تھی۔ وہ بے دم سی ہو کر وہیں بیٹھی رہی۔

ندرت کو عموماً ایکسٹینشن سے دوسرا فون اٹھائے جانے کا پتا چل جاتا تھا کہ آواز ہلکی ہو جاتی، مگر آج نہیں چل سکا۔ انہوں نے بے بسی سے سامنے بیٹھے فارس کو دیکھا جو بغور ان کے تاثرات پڑھ رہا تھا اور ریسیور کریڈل پہ ڈال دیا۔

''انکار کر دیا؟''

''میں زمر سے خود بات کروں گی۔ وہ اس طرح کی بات نہیں کہہ سکتی۔ وہ....''

''کس طرح کی بات؟ کہہ دیں۔ میں برا نہیں مانوں گا۔''

''یہی، غصہ اور مزاج کی سختی۔ مگر تم اس بات کو انا کا مسئلہ نہ بنانا۔ مجھے ایک دفعہ مزید....''

''نہیں، کوئی ضرورت نہیں۔ انکار ہو گیا، بات ختم۔''

''فارس! صرف ایک دفعہ مجھے....'' وہ نفی میں سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپا! بندہ عزت سے رشتہ مانگتا ہے اور عزت سے نہ ملے تو قصہ تمام۔ میں دس سال کا تھا جب میرا باپ فوت ہوا تھا۔ عمر گزر چکی ہے رشتہ داروں کی سیاستیں دیکھتے دیکھتے۔ یہ سوتیلے کا لفظ تب آ کر ختم ہوا جب ہم نے ایک دوسرے کو سمجھنا شروع کیا، شاید دس بارہ سال پہلے۔ ورنہ اس سے قبل وارث ہو، آپ ہوں یا آپ لوگوں کے رشتہ دار، میں سب کے لیے دوسری بیوی سے ہونے والا سوتیلا بیٹا ہی تھا اور آپ میں سے کوئی مجھے پسند نہیں کرتا تھا۔ میں یہ سب آپ کا دل دکھانے کے لیے نہیں کہہ رہا۔ ان باتوں کی اب کوئی اہمیت نہیں۔ بس اتنا بتانا ہے کہ میں آپ کے رشتہ داروں میں اگر شادی کرتا تو عزت سے کرتا، ورنہ نہیں۔ اس لیے اب دوبارہ ان سے بات مت کیجیے گا۔''

ندرت نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ اس کو سمجھ سکتی تھیں۔

.....❖❖❖.....

ستم گر تم سے امید کرم ہو گی جنہیں ہو گی ..... ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

اے سی کی ہوا نے آفس میں خنک سا ماحول پیدا کر دیا تھا۔ زمر نے بات کا آغاز کرنے سے پہلے تمام فائلز اوپر تلے کر کے ایک طرف رکھیں۔ پھر کرسی پہ پیچھے ہو کر بیٹھی اور گہری سانس لے کر میز کی دوسری جانب موجود اس ہینڈسم آدمی کو دیکھا جو ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا تھا' گردن ذرا جھکائے' ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ کچھ ٹائپ کرتا' جیل لگے بال پیچھے کو سیٹ کیے' تنے ابرو۔ سعدی نے جو اس کا ذکر کر کے تاثر دیا تھا' وہ کسی بہت خوش اخلاق اور عاجز آدمی کا تھا۔ یہ آدمی اس سے مختلف لگا تھا زمر کو۔

''تو آپ سعدی کی پھپھو ہیں؟'' بنا جذبات' سرد سپاٹ سا پوچھا۔ ابھی تک ٹائپ کر رہا تھا۔

''جی کاردار صاحب!'' اس نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔ اس لحاظ سے میں یہ سمجھتی ہوں کہ آپ کچھ پروفیشنل کرٹسی کا مظاہرہ کریں گے۔''

''آپ کے کلائنٹ نے میرے ڈرائیور کو لوٹنے کی کوشش کی' پھر اسے گولی مار دی....''

''گولی چل گئی۔'' اس نے ضبط سے تصحیح کی۔

''اور پھر اس نے پولیس کے سامنے اعتراف بھی کر لیا۔''

''جی۔ جب اس نے خود پولیس کو بلایا تا کہ وہ زخمی ڈرائیور کو اسپتال لے جا سکیں' تب اس نے اعتراف کر لیا۔''

''آپ ایک چور اور قاتل کی حمایت کر رہی ہیں؟'' ہنوز گردن جھکائے تیز تیز ٹائپ کر رہا تھا۔

''میں اپنے کلائنٹ کی حمایت کر رہی ہوں۔'' ذرا دیر کو رکی۔ ''کیا ہم اس معاملے کو سیٹل کر سکتے ہیں؟''

''ایک دفعہ غور سے مجھے دیکھیں اور بتائیں کیا مجھے آپ کی دیت چاہیے ہو گی؟''

زمر نے سر سے پاؤں تک اس کو دیکھا۔ ہزاروں روپے کا ہیئر کٹ' ڈھائی تین لاکھ کا سوٹ' اتنی ہی مالیت کے جوتے' اوہ اور گھڑی۔

''پروفیشنل کرٹسی کاردار صاحب!'' اس نے یاد دلایا۔ ہاشم نے موبائل رکھا اور نظر اٹھا کر بے تاثر آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''بی بی! میں آپ کو ایک فیور دوں گا۔ آپ اپنے کلائنٹ کو کٹہرے میں لے آئیں۔''

''کبھی بھی نہیں۔''

''آپ اس کو کٹہرے میں لا کر جج کے سامنے testify کرنے دیں۔ مجھے اس کی دیت نہیں چاہیے' مجھے اس کی شرمندگی چاہیے۔ آپ ایسا کر دیں' میں کم سے کم سزا کا مطالبہ کروں گا۔''

وہ چند لمحے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ سنجیدہ تھا۔

''کتنے سال؟'' ہاشم کے سنائے گئے سال اسے قبول تھے۔

''اوکے!'' اس نے ہامی بھر لی۔ وہ اٹھا۔ کوٹ کا بٹن بند کیا۔ ہلکا سا مسکرایا' سر کو خم دیا اور باہر نکل گیا۔

اس نے موبائل چیک کیا۔ فارس کی کوئی کال' کوئی پیغام نہ تھا۔ وہ قدرے متذبذب سی بیٹھی رہی۔ پھر اسے فون کیا۔

''آپ نے کہا تھا کہ آپ صبح آئیں گے۔ میں انتظار کر رہی تھی۔''

وہ ایک لمحے کو بالکل خاموش ہو گیا۔ ''میں آ رہا تھا۔'' زمر کو تسلی ہوئی۔ اس آدمی کو ابھی آدھا گھنٹہ پہلے اس نے کاریڈور کے دوسرے سرے پہ واقع ایڈووکیٹ مشہود کے چیمبرز میں گم ہوتے دیکھا تھا۔ روز ہی وہ آتا۔ ہر دفعہ اسے گزرتے گزرتے کوئی سخت بات کہہ جانا' کوئی معنی خیز اشارہ.... اف! وہ تنگ آ گئی تھی۔

باہر جانے کے لیے دروازہ کھولا تو اسی وقت فارس نے اسے کھولنے کو ہاتھ بڑھایا تھا۔ اس کا ہاتھ ہوا میں رہ گیا۔ پھر اس نے پیچھے کر

لیا۔ایک پرسوچ نظر زمر پہ ڈالی۔اس کے چہرے پہ اسے آتے دیکھ کر اطمینان آیا تھا۔لونگ مزید دمکنے لگی۔

''رانا صاحب میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔مجھے دیر ہو جائے گی۔آپ خود اس سے بات کر لیں گے نا؟'' وہ تسلی کرنا چاہ رہی تھی۔

وکلا کے چیمبرز کے آگے یہ راہداری تھی۔بالکونی نما' جس کے دوسری طرف سے نیچے موجود مارکیٹ' گاڑیوں کا شور' نانبائی کا ٹھیلا' سب نظر آتا تھا۔وہ دونوں وہیں کھڑے تھے۔

''ہوں۔کدھر ہے وہ؟'' جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے فارس نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔آج وہ جینز پہ راؤنڈ نیک والی شرٹ میں ملبوس تھا جس کی آستین کلائی سے بالشت بھر پیچھے تک آتی تھی۔وہ اپنے کزن سے بہت مختلف تھا۔

''یہ ارشد فیاض مونچھوں والا۔'' زمر نے ابرو سے اشارہ کیا۔وہ شخص اب چیمبر سے نکل رہا تھا۔فارس نے چند لمحے غور سے اسے دیکھا۔پھر بہت سکون سے زمر کی طرف گھوما۔

''آپ جائیں۔میں نرمی سے سمجھا دوں گا۔وہ صبح آ کر آپ سے معافی مانگے گا۔''

اس کی آنکھوں میں حیرت ابھری' پھر فکرمندی۔''مگر....فارس آپ اسے....''

''ڈونٹ وری۔میں اس کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔'' ہاتھ جیبوں سے نکال کر اٹھا دیے۔وہ ذرا مسکرا کر سر ہلاتی آگے بڑھ گئی۔

فارس وہیں کھڑا رہا جب تک کہ وہ چلی نہ گئی۔پھر وہ ارشد نامی اس شخص کے پیچھے چلنے لگا۔وہ دو پلازوں کے درمیان رش سے بھری جگہ میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔فارس فاصلہ رکھ کر اس کے عقب میں تھا۔جب سڑک قریب آنے لگی تو وہ اسی طرح جیبوں میں ہاتھ ڈالے منہ میں کچھ چباتا تیز چلنے لگا۔یہاں تک کہ اس کے سر پہ پہنچ گیا۔

''کیا حال ہیں ارشد صاحب! گھر میں سب ٹھیک ہے؟''

ارشد نے چونک کر گردن موڑی۔وہ اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

''کون؟''

''مجھے پہچان جاؤ گے۔اتنی جلدی کیا ہے۔آؤ اس طرف۔'' سڑک کنارے کھڑی وین کی طرف اشارہ کیا۔ارشد نے بگڑے تیور سے اسے دیکھا۔

''او کون ہو تم؟''

''آرام سے بھائی صاحب۔اس طرف آیئے۔آپ سے کچھ حساب کتاب کرنا ہے۔'' وہ وین کے قریب تھے۔ارشد نے وہیں سے گزر کر آگے جانا تھا اور وہ ابھی کچھ سخت کہنے کو منہ کھول ہی رہا تھا کہ وین کا دروازہ سلائیڈ ہو کر کھلا۔دو نوجوان باہر نکلے۔ایک نے قریب آ کر اس کے کندھے پر بڑے جوش سے ''السلام علیکم'' کہتے ہاتھ رکھا۔سرنج ہاتھ میں ہی تھی۔سوئی اندر گئی۔ارشد جو اس افتاد پہ غصے میں اگلے کو ہٹانے لگا تھا' بالکل ساکت ہوتا گیا۔دونوں نے بازوؤں سے پکڑ کر اس بے جان ہوتے وجود کو وین میں ڈالا۔دروازہ بند کیا۔سب کچھ اتنی پھرتی سے ہوا کہ آس پاس کسی نے نوٹس نہیں لیا۔

فارس گھوم کر فرنٹ سیٹ پہ آ بیٹھا اور جھک کر ایک خانہ کھولا۔

''غازی! چلیں؟'' ڈرائیور نوجوان نے پوچھا۔

''ہوں!'' اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی۔پھر اسے دیکھا۔وہ اس خانے سے دستانے نکال رہا تھا۔

''یہ کیوں؟''

فارس نے چیونگم چباتے پتلا سا وہ دستانہ ہاتھ پہ چڑھایا اور پیچھے کو کھینچا۔

''زبان کا پکا ہوں۔ وعدہ کیا تھا اس کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔'' اب وہ دوسرا دستانہ پہن رہا تھا۔ ڈرائیور نوجوان نے ہنس کر سر جھٹکا اور [illegible] گنگنانے لگا۔

قریباً چار گھنٹے بعد ایک نسبتاً سنسان سڑک پہ وہی وین رکی۔ دروازہ سلائیڈ ہو کر کھلا۔ ارشد کو نیچے اتارا گیا۔ اس کے چہرے پہ کسی [illegible] نشان نہ تھا البتہ وہ سفید نقاہت زدہ سا تھا۔

فارس نے اترے بغیر ذرا جھک کر اس کا کالر پکڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔

''تمہارا چہرہ اس لیے چھوڑا ہے تاکہ جس کو تم اذیت دے رہے تھے اسے علم نہ ہو سکے۔ صبح جا کر تم اس سے معافی مانگو گے۔ اور [illegible] اس کو شکل مت دکھانا اپنی۔ اور ہاں اگر ہمارے ڈرائنگ روم کی سیر کا سفرنامہ اسے بتایا یا دوبارہ اس کو ہراس کرنے کی کوشش کی تو طالبان [illegible] کا دوں گا تمہارے اوپر۔ امریکی اگلی فلائٹ سے لے جائیں گے اور ساری عمر تمہارا خاندان تمہاری شکل کو ترسے گا۔ بات آئی ہے [illegible] ی میں یا نہیں۔'' کالر کو جھٹکے سے چھوڑا۔

ارشد نے دونوں ہاتھ اٹھا کر گہرے سانس لیے۔ سر بار بار اثبات میں ہلایا۔ ابھی وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ فارس نے ایک [illegible] نظر اس پہ ڈالی' پیچھے ہوا' دروازہ زور سے بند کیا اور وین زن سے آگے بڑھ گئی۔

❖❖❖

کوئی آج تک نہ سمجھ سکا یہ اصول گلشن زیست کا ..... وہی پھول نذر خزاں ہوا جسے اعتبار بہار تھا

آج بھی دروازہ میری نے کھولا۔ وہ مسکرائی بھی مگر پھر بھی نوشیرواں کے گھر میں عجیب فضا چھائی تھی یا شاید سعدی کو ایسے محسوس ہو رہا [illegible] ہر حال اس نے تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکا اور اندر آیا۔ مسز کاردار کا پوچھا۔ وہ گھر پہ نہیں تھیں۔ چلوا چھا ہے۔ اس کا کل ایگزام تھا۔ شیرو [illegible] س بھی کام کے لیے بلایا ہے' وہ نپٹا کر وہ جلدی سے واپس پہنچنے کی کرے گا۔

شیرو کے کمرے کا دروازہ کھولنے سے قبل اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ شہرین شاہانہ انداز میں لونگ روم میں صوفے پہ آتش دان کے [illegible] بیٹھی تھی۔ سنہری لٹ انگلی پہ لپیٹتی وہ مسکرا کر اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ فضا میں گھات لگائے جانے کا احساس بڑھ گیا۔

سعدی نے دروازہ کھولا۔ نوشیرواں کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سر اٹھا کر دیکھا۔ آنکھیں گلابی تھیں۔ ڈرگز سے نہیں' غصے سے۔

''خیریت؟ تم نے اتنی جلدی میں بلایا؟'' سعدی نے سرسری سا پوچھا۔ وہ کھڑا ہوا۔ کڑے تیوروں سے اسے گھورتا سامنے آیا۔

''کب سے جاسوسی کر رہے ہو میری؟'' سعدی نے گہری سانس باہر کو خارج کی۔

''اگر تمہارا اشارہ میرے....''

''بکواس مت کرو۔ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بلایا کہ تمہاری سنوں۔''

''ہاں' تم نے مجھے اس لیے بلایا ہے تاکہ مجھے بے عزت کر کے گھر سے نکال سکو۔''

''تم ہوتے کون ہو میری ماں کے لیے میری جاسوسی کرنے والے؟ تم ہو کون جوان کو میرے ڈرگز لینے کے بارے میں بتاتے [illegible]'' غصے سے اس کے چہرے کے نقش بگڑ گئے۔

''میں تمہارا دوست ہوتا ہوں۔''

''تم نے مجھے میری ماں کی نظروں سے گرانا چاہا۔ تم نے....''

''اگر گرانا ہوتا تو میں ان کو تمہارے چالان کے بارے میں بھی بتاتا جو گاڑی غلط ڈرائیو کرنے پہ ہوا تھا۔ میں ان کو تمہارے اس لڑکی

کے منگیتر سے مار کھانے کا بھی بتاتا جس کو تم مسلسل کالز کر رہے تھے۔ اور بھی بہت کچھ بتا سکتا تھا مگر میں نے تمہارا بھلا چاہا۔''

''اوہ شٹ اپ۔'' وہ غصے سے چلایا۔ ''تم مت چاہو میرا بھلا۔ جو تمہارا احسان تھا میرے اوپر' آج وہ بھی ختم ہوا۔ آئندہ میں تمہاری شکل بھی دیکھنا گوارا نہیں کروں گا۔''

''میں جا رہا ہوں نوشیرواں! کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ ہم ایک دوسرے کو ایسی باتیں کہہ دیں جن پہ ہمیں پچھتانا پڑے۔'' وہ مزید بے عزت نہیں ہو سکتا تھا۔ شیرو کو چیختا چلاتا چھوڑ کر دروازہ بند کرتا باہر نکلا' پھر ٹھٹک کر رکا۔

شہرین اسی تمکنت سے بیٹھی اس کو دیکھ رہی تھی۔

''تم اس دن میرے برادران لاء سے پوچھ رہے تھے کہ میں کیسی عورت ہوں۔ اب پتا چل گیا میں کیسی عورت ہوں؟'' ہاتھ بالوں میں اوپر سے نیچے لے جاتے معصومیت سے پوچھا۔

سعدی تلخی سے مسکرایا۔ نفی میں گردن ہلائی' سامنے آیا اور اس کے مقابل پڑی کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھے رکا۔

''میں نے یہ سوال اس لیے نہیں پوچھا تھا کہ میں نے آپ کو پورچ میں ایسی باتیں کرتے سنا تھا جن کے کھلنے کا آپ کو ڈر تھا۔ میں نے یہ سوال اس لیے پوچھا تھا کیونکہ میں نے آپ کو اسٹڈی کی کھڑکی کے باہر کھڑے ہو کر اپنی اور مسز کاردار کی وہ باتیں سنتے دیکھا تھا جن کے کھلنے کا مجھے کوئی ڈر نہیں تھا۔'' چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔ شہرین کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ گردن میں ابھر کر معدوم ہوتی گلٹی دکھائی دی۔

''دوستی میرے نزدیک ایک ہی چیز ہے۔ وفاداری اور صرف غیر مشروط وفاداری۔ مسز ہاشم کاردار! وہ دوبارہ ڈرگز لے گا' میں دوبارہ اس کی ماں کو بتاؤں گا۔ کیونکہ میری آپ کے خاندان میں آمد و رفت کی وجہ صرف شیرو سے دوستی نہیں ہے۔ یقیناً اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں کیسا دوست ہوں۔'' وہ کہہ کر مڑ گیا۔ شہرین تلملا کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔

''ایڈیٹ۔''

.....❖❖❖.....

ہاشم ایک ہاتھ میں بریف کیس تھامے' دوسرے میں موبائل پہ کچھ ٹائپ کرتا راہداری میں چلتا جا رہا تھا۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ بپھری ہوئی سی تیز تیز پیچھے آئی۔ دائیں طرف سے نکل کر گھوم کر سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہ رکا۔ نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''یہ کیا کیا آپ نے؟'' زمر دباد با سا غرائی تھی۔ اس کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

''کیا کیا میں نے؟'' اس نے ذرا سے شانے اچکائے۔

''آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ کم سے کم سزا کا مطالبہ کریں گے۔ اور ابھی آپ نے سزائے موت کا مطالبہ کر دیا؟''

''میں نے وعدہ کیا تھا؟ کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟ کوئی کاغذ؟ کوئی دستخط؟'' زمر کے اندر جوار بھاٹا پکنے لگا۔ بمشکل ضبط کر کے نفرت سے اس کو دیکھا۔

''آپ نے مجھے زبان دی تھی۔''

''نہیں' میں نے آپ کو سبق دیا تھا کہ کبھی استغاثہ کے ساتھ بغیر تحریری کاغذ کے ڈیل نہیں کیا کرتے۔'' وہ پرسکون تھا۔ دوبارہ سے فون پہ ٹائپ کرنے لگا۔

''میں۔ میں آپ کے کہنے پہ.... میں اس کو کٹہرے میں لے آئی اور آپ نے کیا کیا میرے ساتھ؟ آپ کو اندازہ ہے یہ کیس رانا صاحب کے لیے کتنا اہم تھا؟ ان کی ریپوٹیشن کا سوال تھا۔''

''اور شاید آپ کی ملازمت کا بھی۔ اس بے وقوفی کے بعد آپ یقیناً ان کے چیمبر میں دوبارہ داخل ہونے کی ہمت نہیں کریں گی۔

recommendation کا خط چاہیے ہو تو میں لکھنے کو تیار ہوں۔'' وہ محظوظ ہوا تھا۔

زمر نے کینہ توز نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں سمجھی تھی آپ سعدی کے رشتہ دار ہیں تو....''

''میں جب صبح سات بجے گھر سے نکلتا ہوں تو ساری رشتے داریاں پیچھے چھوڑ کر آتا ہوں۔ بزنس از بزنس۔'' اس کا فون بجنے لگا تا ہیلو کہتا آگے بڑھ گیا۔ زمر وہیں کھڑی رہ گئی۔ ہاشم نے دور جاتے ہوئے فون کان سے ہٹا کر مڑ کر اسے دیکھا اور ذرا

''اگلی دفعہ میرے ساتھ ڈیل کرتے وقت اپنا دماغ حاضر رکھیے گا۔'' اور پلٹ گیا۔ وہ بے بسی بھرے غصے میں کھولتی مخالف سمت میں

گئی۔ وہ کسی کے سامنے نہیں رویا کرتی تھی' سوائے سعدی کے۔ البتہ اس وقت دل کر رہا تھا کہ بھری کچہری میں زمین پہ بیٹھ کر رونا شروع

فارس ادھر آیا تو وہ باہر سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔ بظاہر لگتا وہ کسی کی منتظر ہے' مگر اس کا چہرہ.... زرد' یاسیت بھرا سا تھا۔ وہ آخری سیڑھی کے اگر دن ترچھی کر کے اسے دیکھنے لگا۔

''میں گزر رہا تھا تو.... آپ ٹھیک ہیں؟''

زمر نے نگاہیں اٹھائیں۔ پھر دھوپ کے باعث پلکیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ آس پاس ابھی بھی خاصا

''کیا وہ صبح آیا تھا؟'' ذرا احتیاط سے پوچھا۔ وہ پھیکا سا مسکرا دی۔

''جی۔ آپ نے اسے کیسے سمجھایا؟ وہ بہت دھیما ہو گیا تھا۔ معافی بھی مانگی اور یہ بھی کہا کہ واپس دوبئی جا رہا ہے۔ دوبارہ ہراساں

گا۔'' وہ ابھی تک اس کایا پلٹ پہ حیران تھی۔

''اور بھی کچھ کہا؟'' وہ غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس سب کا شکریہ فارس!'' پھیکی مسکراہٹ بالکل غائب ہو گئی۔ بجھا بجھا سا چہرہ جھک گیا۔

''کوئی اور مسئلہ ہے؟''

''میری جاب چلی گئی۔ چھوڑنی تو ویسے بھی تھی' کہیں اور اپلائی کر رکھا تھا۔ مگر اس طرح چھوڑنے کا نہیں سوچا تھا۔'' نہ اس نے ہاشم کا

فارس نے وجہ پوچھی۔ دونوں کو یہی مناسب لگا۔

''کیا آپ کی امی آپ سے میرا ذکر کیا تھا پچھلے ہفتے؟'' ذرا ٹھہر کر بولا۔ زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر نا سمجھی سے نفی میں

ہلائی۔

''نہیں.... کیوں؟'' اور فارس بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔

''یونہی۔ آپ کے ابو سے ملنا تھا تو۔ میرا خیال ہے وہ مجھے پسند نہیں کرتیں۔ خیر جانے دیں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔'' فارس نے اس

جانے دیا' اور زمر نے اسے۔ وہ مڑ گیا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سر جھکائے دور ہوتا گیا۔ وہ نیچے سر جھکائے خالی خالی نظروں سے اپنے

دیکھتی رہی۔

.....❖❖❖.....

ایک نگاہ برفیلی' ایک بول پتھر سا ..... آدمی نہیں مرتا صرف خون بہنے سے

کھانے کی میز پہ روٹی کا ڈبہ' ڈونگے' سلاد' سب حسب معمول سجا تھا اور وہ لقمہ توڑتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میں یقین نہیں کر سکتی ابا کہ سعدی جس آدمی کی اتنی تعریفیں کرتا تھا' وہ اتنی چھوٹی حرکت کر سکتا ہے۔'' لقمہ چبا کر گلاس لبوں سے لگایا۔ پھر باری باری دونوں کو دیکھا۔ ''میں نے سعدی کو بھی فون کر کے کہہ دیا۔ دوبارہ اپنے ہاشم بھائی کا ذکر بھی مت کرنا میرے سامنے۔''

''اس نے کیا کہا آگے سے؟'' بڑے ابا سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

''وہ تو خود حیران تھا۔ مگر اسے لگا کہ یہ کوئی غلط فہمی ہے۔ میں نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔ اس کا دل کیوں خراب کروں اپنے ہاشم بھائی کے لیے۔''

فرحانہ نے گہری سانس لے کر سلاد کی پلیٹ اٹھائی۔

''فارس کا کزن جو ہوا۔''

بڑے ابا نے ایک ملامتی نظر ان پہ ڈالی اور ایسی ہی دوسری نظر زمر پہ اور سر جھٹک کر کھانے لگے۔ زمر نوالہ سالن میں ڈبو رہی تھی' اس میں سر ہلانے لگی۔

''نہیں امی! فارس تو بہت اچھا ہے۔ بہت ڈیسنٹ اور مینرڈ۔ ہمیشہ ٹو دی پوائنٹ بات کرے گا۔ کبھی آپ کو نقصان پہنچانے والی حرکت نہیں کرے گا۔''

بڑے ابا کا نوالہ حلق میں اٹک گیا۔ چونک کر زمر کو دیکھا' پھر فرحانہ کو۔ ان کی رنگت ذرا پھیکی پڑی۔ فوراً ڈبہ کھول کر روٹیاں نکالنے لگیں۔

''یہ پوری ہو جائیں گی یا مزید بنا دوں؟''

''یونو واٹ ابا۔'' زمر کا ہاشم پہ غصہ کم ہو چکا تھا اور اسے فارس اور اس کا فرق واضح نظر آ رہا تھا۔ ''صرف اس لیے کہ میں فارس کی فین ہو رہی ہوں' اس نے پچھلے ایک ڈیڑھ ہفتے میں مجھے دو تین فیورز اکٹھے دیے اور ایک دفعہ بھی نہیں بتایا۔ یہ سعدی لوگ اکثر کہتے ہیں ہمارے ماموں بہت غصے والے ہیں' مگر میرا خیال ہے وہ بہت سوبر ہے۔ اور ہاشم.... اف۔'' جھرجھری لے کر سر جھٹکتے اس نے اگلا نوالہ توڑا۔

بڑے ابا کا کھانا حرام ہو چکا تھا۔ وہ نیپکن سے ہاتھ رگڑ کر صاف کرنے لگے۔ زمر نے کھانا ختم کیا اور پلیٹیں اکٹھی کر کے کچن میں لے گئی تو فرحانہ بھی ساتھ ہی آ گئیں۔ اس نے فریج کھولا تو مٹھائی کا ٹوکرا اندر رکھا تھا۔

''یہ کہاں سے آیا امی؟'' اس نے ہاتھ بڑھا کر گلاب جامن اٹھایا اور منہ سے توڑا۔

''حماد کے گھر سے۔ وہ لوگ آج آئے تھے۔ ہم نے ان کو ہاں کر دی ہے۔ بتایا تھا نا۔'' وہ سالن ڈبوں میں ڈالتی فریج میں رکھ رہی تھیں۔

''ہوں۔ اچھی ہے۔'' گلاب جامن اندر تک گھل گئی۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر ذرا سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

فرحانہ باقی برتن اٹھانے واپس آئیں تو بڑے ابا ہنوز سر براہی کرسی پہ بیٹھے تھے۔ نظر اٹھا کر دیکھا۔ افسوس' ملامت' وہ ہر ہٹ ہوئے تھے۔

''آپ نے زمر سے نہیں پوچھا تھا؟'' وہ آہستہ سے بولے۔

''پوچھ بھی لیتی اور وہ مان بھی جاتی تب بھی میں ندرت کے بھائی کو اپنی بیٹی کا رشتہ نہ دیتی یوسف صاحب۔ کبھی بھی نہیں۔ ندرت چاہتی ہے کہ میں جھک کر رہوں تو ایسا نہیں ہوگا۔'' تیز لہجے میں کہتیں برتن اٹھا پٹخ کرنے لگیں۔

''آپ نے زمر سے نہیں پوچھا تھا؟'' وہ کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرحانہ نے فکرمندی سے انہیں جاتے دیکھا۔ وہ زمر

ملاقی نہیں گئے تھے اپنے کمرے میں گئے تھے۔ان کو یک گونہ اطمینان ہوا۔شکر یہ معاملہ تو ختم ہوا۔جیسے بھی سہی۔

.....❖❖❖.....

رو پڑا ہوں تو کوئی بات ہی ایسی ہو گی ..... میں کہ واقف تھا ترے ہجر کے آداب سے بھی

وارث نے لاؤنج میں قدم رکھا۔دوپہر کا اندھیرا چھایا تھا۔پنکھا بند۔صوفے پہ اکڑوں بیٹھی حنین جو ناراضی سے خلا میں گھور رہی تھی۔اس نے ادھر ادھر دیکھا۔''گرمی میں کیوں بیٹھی ہو؟'' احتیاط سے پکارتا قریب آیا۔گردن ٹیڑھی کر کے اس کے تاثرات دیکھے۔اس نے ٹکٹکی سے آنکھیں اٹھائیں۔

''بجلی نہیں ہے۔ایک سے دو جاتی ہے۔پھر شام کو چار سے پانچ جائے گی۔'' وارث ہنس پڑا۔

''پاکستان کا کوئی دماغ ایسا نہیں ہے جس میں بجلی کی آمد و رفت کا حساب نہ ہو۔'' حنین نہیں ہنسی۔اسی طرح سامنے دیکھتی رہی۔وہ مقابل صوفے پہ بیٹھا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا ہے؟''

''ابھی پھپھو آئی تھیں۔ٹیلر سے امی کچھ کپڑے پک کیے تھے وہی دینے۔میں نے بھی آج ان کو کوئی موڈ نہیں دیا۔سوچتی تو ہوں گی کہ یہ ناراض ہے۔ان کی مسکراہٹ بھی سمٹ گئی۔شاید حیران تھیں۔واٹ ایور!''

اور وہ حیران نہیں تھی بس ذرا پھیکی پڑ گئی تھی۔آج ''بھول'' کر جانے والی چابیاں حنین اٹھا تو لائی مسکرائی بھی مگر وہ پچھلے دنوں کی بے تکلفی والا شگاف پھر سے بھر چکا تھا۔فاصلہ پھر سے آ گیا تھا۔

''اور تم نے یہ کیوں کیا؟''

''آپ کو نہیں معلوم؟ انہوں نے ماموں کے رشتے سے انکار کر دیا۔''

''تو؟''

''تو؟'' حنین نے تعجب سے اسے دیکھا۔''آپ کو افسوس نہیں ہوا؟''

''میرے افسوس سے کیا ہوتا ہے؟'' یہ ہر انسان کا حق ہے۔انہوں نے کچھ سوچ کر فیصلہ کیا ہو گا۔''

''آپ جو بھی کہیں میں ان سے بالکل بالکل بھی اب محبت نہیں کرتی۔نہ کبھی کروں گی۔'' وہ بے بسی بھرے طیش سے وارث کو دیکھ کر بولی۔وہ لبوں پہ مٹھی رکھے خاموشی سے سنتا گیا۔

''مجھے ابو سے بھی محبت نہیں ہے۔وہ ہمیں اس وقت چھوڑ کر چلے گئے جب ہمیں ان کی ضرورت تھی۔ان کو چاہیے تھا وہ سڑک پہ احتیاط سے چلیں۔ان کو ہمارا سوچنا چاہیے تھا۔'' وہ سر جھکا کر کہہ رہی تھی اور اس کی آواز میں نمی تھی۔''میں پھپھو کو جب بھی دیکھتی تھی مجھے ان میں ابو نظر آتے تھے۔مجھے لگتا تھا ہم کبھی دوست نہیں بن سکتے۔میں اور پھپھو۔کبھی بھی نہیں۔اگر ہم قریب آئے تو وہ مجھ سے چھن جائیں گی۔مگر پچھلے کچھ دنوں میں مجھے لگنے لگا کہ ایسا نہیں ہو گا۔پھر ایسا ہی ہو گیا۔اب میرا کوئی بھی فرینڈ نہیں ہے۔میں دوبارہ کبھی ان کے پاس کوئی بھی مسئلہ لے کر نہیں جاؤں گی۔'' سر جھکائے اس کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

''فارس کے رشتے کو انکار کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تم سے کم محبت کرنے لگی ہیں۔''

''آپ جو بھی کہیں۔ہم کبھی دوست نہیں بن سکتے۔''

''اچھا۔کہیں باہر چل کر کچھ کھاتے ہیں۔'' وہ چابی اٹھاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''مجھے نہیں کھانا کچھ۔'' غصے سے سر جھٹکا۔ہنوز ناراض تھی شاید ساری دنیا سے۔

''چلو خیر' میں تو چاہ رہا تھا کہ اس بولان ریسٹورنٹ میں جا کر مٹن کڑاہی بنواتے ہیں (حنین نے جھٹکے سے گیلا چہرہ اٹھایا) ساتھ میں تندوروالی روٹی' سلاد۔ مگر.... خیر چھوڑو۔ تم نے تو کچھ نہیں کھانا۔''

''مٹن کڑاہی کچھ میں نہیں آتی' اچھا!'' جلدی جلدی چہرہ رگڑتی وہ پیروں میں چپل گھسیٹتی اٹھ کر اندر بھاگی۔ ساتھ ہی آوازیں بھی دے رہی تھی۔

''امی.... امی.... ماموں کہہ رہے ہیں ہم کھانے پہ باہر....''

وہ مسکرا کر کار اسٹارٹ کرنے باہر نکل گیا۔

.....❖❖❖.....

یہ سانپوں کی بستی ہے ذرا دیکھ کر چل وصی ..... یہاں کا ہر شخص بڑے پیار سے ڈستا ہے

ایرپورٹ سے گھر تک سارا راستہ دونوں خاموش رہی تھیں۔ جب کار کاردار قصر کے سامنے رکی تو جواہرات نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

''تم باہر جاؤ۔''

شہرین نے جواترنے کی تیاری میں تھی' چونک کر اسے دیکھا۔ سن گلاسز اوپر کر کے بالوں پہ ٹکائے۔ ڈرائیور اتر گیا تو جواہرات نے مسکرا کر گردن اس کی طرف موڑی۔

''اگلی دفعہ نوشیرواں کو مجھ پہ شک کروانے یا میرے کانٹیکٹس کے خلاف بھرنے سے پہلے ایک سو ایک دفعہ سوچنا۔ کیونکہ یہ آخری موقع ہے جب میں نے نظر انداز کیا ہے' وہ بھی صرف اس لیے کہ تم دو ایک سال سے زیادہ اس گھر میں ٹکتی مجھے نظر نہیں آ رہی ہو۔ سو یہ مختصر وقت میں تمہارے لیے ناخوشگوار نہیں بناؤں گی' نہ تم میرے لیے بنانا۔ میں چاہتی تو ہاشم کو بتا دیتی کہ تم اپنی خالہ کے گھر اتنا کیوں جاتی ہو۔ مگر میں اپنے بیٹے کی مختصر سی شادی شدہ زندگی خراب نہیں کرنا چاہتی۔ اس لیے نہیں بتاؤں گی کہ تمہاری خالہ کے بیٹے کے ذکر پہ تمہارا رنگ کس طرح سفید پڑتا ہے' جیسے ابھی پڑ رہا ہے۔ کلیئر؟''

مسکرا کر ٹھنڈے برف لہجے میں کہہ کر وہ دروازے کی طرف مڑی۔ شہرین نے تھوک نگلا' پھر گردن تان کر کہنے کی کوشش کی۔

''ہاشم جانتا ہے وہ میرا دوست تھا۔''

''بالکل! ہاشم یہی جانتا ہے کہ وہ تمہارا دوست.... تھا شہری!'' مسکرا کر کہتی وہ باہر نکل گئی۔ شہرین نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ (بوٹوکس کی ماری بڑھیا) اور خود بھی مسکراہٹ چہرے پہ لاتی باہر آ گئی۔

.....❖❖❖.....

بے اعتبار شخص تھا وہ وار کر گیا ..... لیکن میرے شعور کو بیدار کر گیا

کچہری میں معمول کی چہل پہل تھی۔ ہاشم نے موبائل پہ بات کرتے ہوئے اس آفس کا دروازہ کھولا اور اندر آیا۔ آس پاس کی میزوں کو نظر انداز کرتا آخری ڈیسک کی طرف بڑھ گیا۔

''ہاں تم مجھے کام ختم کر کے اطلاع کر دو۔ دو گھنٹے تک۔ لازمی۔'' موبائل بند کر کے کرسی کھینچی' سامنے دیکھا۔ اور.... رک گیا۔

وہ کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھی مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ گھنگھریالے بال جوڑے میں بندھے تھے۔ صرف ایک لٹ گال کو چھو رہی تھی۔ ہاشم کی نظریں بے اختیار میز پہ رکھی نیم پلیٹ پہ جھکیں۔

''میں تعارف خود ہی کروا دیتی ہوں۔ پبلک ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف خان۔ دو ہفتے پہلے میری تقرری ہوئی ہے۔ اور شاید ایک ماہ قبل آپ سے آخری ملاقات ہوئی تھی۔ بھولے تو نہیں ہوں گے آپ مجھے۔''

ہاشم بے اختیار ہنس دیا۔ ہنستے ہنستے نفی میں سر ہلا دیا اور بہت محظوظ ہونے والے انداز میں اسے دیکھا۔

''یعنی میری وجہ سے آپ کو نئی جاب مل گئی۔ گڈ!''

''تو پھر کس کیس کے سلسلے میں آپ آئے ہیں کاردار صاحب؟'' وہ مسکرا کر کہتی ہاتھ ملا کر میز پہ رکھے' آگے ہوئی۔

''میرا خیال ہے مستقبل میں ہمیں بہت سے کیسز یہیں بیٹھ کر طے کرنے ہوں گے۔ اس لیے.... کیوں نہ پہلے آپ مجھے اچھی سی چائے پلوائیں۔ بغیر شوگر کے۔'' وہ ابھی تک لطف اندوز ہو رہا تھا۔ زمر سرد سا مسکرائی۔

''شیور! میرے ڈیسک پہ چائے کا سامان ہر وقت موجود ہوتا ہے۔ آپ کو اب یہاں خود چائے بنانے کی عادت ڈالنی ہوگی' مگر آج کے لیے۔ کیونکہ پہلی چائے میں آپ کے لیے بنا دوں گی۔ بغیر شوگر کے۔'' کہہ کر وہ اٹھی اور کیتلی اٹھالی۔ ہاشم کہنی کرسی کے ہتھے پہ رکھے ٹھوڑی اٹھا کر اسے چائے بناتے دیکھتا رہا۔

''اب کیس پہ بات کر لیتے ہیں کاردار صاحب!'' کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے زمر نے چینی دان سے دو چمچ نکالے' اس کو دکھایا' کپ میں انڈیلے اور چمچ پرچ پہ رکھ دیا۔ پھر کرسی پہ آ بیٹھی اور بولی۔ ''یقین کیجیے میرا دماغ آج بالکل حاضر ہے۔''

ہاشم پھر سے ہنس دیا۔ دل ہی دل میں تلملاتے ہوئے۔

پانچ سال بعد بھی وہ اسی طرح بوفے ٹیبلز کے ساتھ کھڑا ہنس کر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اور بے خیالی میں اس کو دیکھتی زمر ذرا پریشان ہوئی۔ اردگرد شادی کا فنکشن جو ماضی کی دھول میں دھندلا ہو گیا تھا' اب واضح ہونے لگا۔

اس نے ایک ہاتھ سے کنپٹی مسلی اور کرب سے آنکھیں بند کیں۔ حنین میٹھا لینے جا چکی تھی' مگر جو کڑوا وہ کہہ کر گئی تھی' اس کا اثر اب بھی باقی تھا۔ یہ رشتہ کب مانگا گیا' کب انکار ہوا' اسے یہ نہیں معلوم تھا' مگر ایک بات صاف نظر آنے لگی تھی۔

وہ جو چار سال سے یہ سوچتی رہی کہ فارس نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا' تو اس کا جواب مل گیا تھا۔ اس نے انتقام لیا تھا۔ ٹھکرائے جانے کا انتقام۔ میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا' دل میں..... یہی کہا تھا نا اس نے۔ اسے سب یاد تھا۔ انتقام تھا تو انتقام سہی۔ (میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا زمر' صرف ایک گولی) ایک نہج پہ پہنچ کر اس نے موبائل پہ کال ملا کر اسے کان سے لگایا۔

''بصیرت صاحب! سوری میں آپ کو غلط وقت پہ تنگ کر رہی ہوں۔ مجھے ایک کیس فائل چاہیے۔ جی.... پبلک ریکارڈز کے علاوہ بھی جو کچھ آپ کے پاس ہو اس کیس سے متعلق' جی سارا ابا کس بھجوا دیجیے۔ میں اپنے ملازم کو بھیجتی ہوں آپ کی طرف۔''

وہ پوچھ رہے تھے کہ اسے کون سا کیس چاہیے۔ زمر نے گہری سانس لی۔ دور کھڑے کرن اور حماد کو اپنے جڑواں بچوں اور دلہا دلہن کے ساتھ مسکرا کر فوٹو اتروا تے دیکھا اور بولی تو آواز یخ ٹھنڈی تھی۔

''سرکار بنام فارس غازی۔''

اس نے فون بند کیا اور سامنے دیکھنے لگی۔ چہرہ اب سپاٹ تھا اور ذہن قدرے مجتمع تھا۔

دور حنین سوئیٹ ڈش ٹیبل پہ پلیٹ میں کچھ نکال رہی تھی۔ کن اکھیوں سے وہ قریب کھڑے ہاشم کو کسی سے بات کرتے دیکھ رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ نکلتی رہی یہاں تک کہ ہاشم کا مخاطب مڑ گیا تو وہ اس تک آئی۔ وہ اسے دیکھ کے بس ہلکا سا مسکرایا۔

''مجھے.... آپ سے یہ کہنا تھا کہ....'' اپنے پیالے میں چمچ ہلاتے اور چمچ کو دیکھتے وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔ ''کہ مجھے بھی بہت افسوس ہے۔ آپ کے فادر کی ڈیتھ کا۔ مجھے ان کے جنازے پہ آنا چاہیے تھا مگر میں نہیں آ سکی۔ آئی ایم سوری ہاشم بھائی!'' نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس نے سر کے خم سے تعزیت وصول کی۔

''اٹس اوکے۔ مگر تمہیں آنا چاہیے تھا حنین! سعدی تو آیا تھا۔ اس وقت نہ سہی' بعد میں آنا چاہیے تھا۔ لیکن اس کے بعد تم لوگوں نے ہماری طرف.... آنا چھوڑ دیا بالکل۔'' آخری الفاظ ادا کرتے ہاشم کے حلق میں کچھ اٹکا تھا۔ گردن میں ابھر کر معدوم ہوتی گلٹی' آنکھوں میں

چونک جانے کا احساس۔ حنین اگر متوجہ ہوتی تو محسوس کر لیتی۔

''آئی ایم سوری!'' وہ سر جھکائے کہہ کر مڑ گئی۔ واپس میٹھے کی جگہ پہ آئی تو سعدی وہاں کھڑا تھا۔ آہستہ سے بولا۔ ''ہاشم بھائی کیا کہہ رہے تھے؟''

اس نے اداس آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''میں ان سے معذرت کر رہی تھی کہ میں ان کے والد کی وفات پہ نہیں آ سکی۔ مجھے آنا چاہیے تھا۔ اور اس سے پہلے انہوں نے بھی معذرت کی۔ انہوں نے کہا کہ انہیں افسوس ہے۔''

سعدی نے پیالے میں سوفلے کا چمچ الٹتے ہوئے تلخی سے سر جھٹکا۔

''کتنا آسان ہے حنین ڈیڑھ سال بعد ایک شادی کی تقریب میں آ کر کہہ دینا کہ مجھے افسوس ہے۔ ہونہہ۔'' حنین نے یاسیت سے اسے دیکھا۔

''انہیں افسوس ہے۔ واقعی ہے۔''

''اگلی دفعہ جب وہ تمہیں کہیں کہ ان کو افسوس ہے تو ان سے کہنا افسوس کافی نہیں ہوتا۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا پلٹ گیا۔ وہ اب زمر کی ٹیبل کی طرف جا رہا تھا۔ حنین دل مسوس کر وہیں کھڑی رہ گئی۔ کیا وہ ساری زندگی اسی نقطے پر کھڑی رہے گی؟ کیا وہ بھی پھپھو کی طرح کبھی آگے نہیں بڑھ سکے گی؟

اس کا ذہن پل بھر کو اپنے اردگرد سے ہٹتا گیا۔ دل و دماغ پر کوئی دھندسی چھا رہی تھی۔ سیاہ رات میں سنہری دھند.... اس کا ذہن اس دھند میں ڈوبتا گیا.... ڈوبتا گیا۔

.....❖❖❖.....

باب نمبر:5

بیماری میں اور صحت میں

اے گلاب۔
تم بیمار ہو۔
نادیدہ کیڑا جو رات میں اڑتا ہے۔
برستے طوفان میں۔
اس نے ڈھونڈ لیا ہے تمہارا بستر۔
سرخ لطف کا۔
اور اس کے گہرے خفیہ عشق نے
برباد کر دی ہے
تمہاری زندگی
(ولیم بلیک کی نظم ''بیمار گلاب'')

موجودہ دن سے چار سال پہلے
(وارث غازی قتل سے تین دن قبل)

ذوالفقار یوسف کے گھر کے چھوٹے سے کچن میں شرارت بھری خاموشی چھائی تھی۔ کائنٹر پہ دو ڈشز رکھی تھیں۔ ایک خالی۔ ایک میں تازہ بیک شدہ کیک جس کی لیرز کاٹ کر اندر کریم بھری گئی تھی۔ اب اس کیک کو دوسری صاف ڈش میں ڈالنا تھا۔ سعدی نے نچلا لب دبائے مسکراتے ہوئے حنین کو دیکھا جو آستین چڑھا کر کیک کے قریب ہاتھ لے جاتی' پھر واپس کھینچ لیتی۔

''میں ڈال دوں حنہ؟''

''خبردار۔ یہ نرم ہے۔ ٹوٹ جائے گا اور اسے ہاتھ بھی مت لگایئے گا۔'' وہ غصے سے بولی۔

''انگلی لگاؤں۔'' سعدی نے انگلی اس طرف بڑھائی۔ حنہ نے زور سے اس کی انگلی پہ ہاتھ مار کر پیچھے ہٹایا۔

''میں چھت سے نیچے پھینک دوں گی آپ کو۔ پھپھو کی شادی میں پلستر چڑھا ہوگا۔'' آج کل حنین کی ہر بات میں دو ہفتے بعد ہونے والی پھپھو کی شادی کا تذکرہ ضرور ہوتا تھا۔

''اول فول نہ بولا کرو۔ ہر وقت۔'' ندرت نے اسے گھورتے ہوئے کفگیر دکھایا۔ سعدی دل کھول کر ہنسا۔

''یار حنہ! امی کو ابھی تک ہمارے خلاف کفگیر' جوتے اور ہینگر کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں ملا؟''

ندرت نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دیں اور چولہے کی طرف مڑ گئیں۔ حنہ کا کیک ابھی تک ویسے ہی پڑا تھا اور وہ ڈرتے ڈرتے ہاتھ اس کی طرف بڑھا رہی تھی' تب ہی فون کی گھنٹی بجی۔

ندرت نے سعدی کو پکارا اور سعدی نے حنین کو دیکھا۔ پھر نظروں سے اس کا دروازے سے فاصلہ ناپا۔ ''تم قریب ہو' تم اٹھاؤ۔''

اور یہ تو ان کہا اصول تھا کہ جو قریب ہوگا وہی کام کرے گا۔ حنین اونہہ کر کے لاؤنج میں گئی۔ جلد ہی واپس بھی آ گئی۔ دوبارہ آستینیں چڑھا لیں۔

''زرتاشہ آنٹی کا فون تھا۔'' خود سے دس گیارہ سال بڑی زرتاشہ کو آنٹی کہنا عجیب لگتا تھا مگر پانچ ماہ سے کہہ کہہ کر وہ عادی ہو گئی تھی۔

''کیا کہہ رہی تھی؟'' اس نے ندرت کا سوال نظر انداز کیا۔ وہ چمٹے اٹھا کر احتیاط سے کیک تلے لائی۔ اسے اٹھایا اور آہستہ سے دوسری ڈش میں بچھایا۔ پھر ''شکر'' کہتی سیدھی ہوئی۔ سعدی ہنوز مسکرا رہا تھا۔

''وہ پوچھ رہی تھیں کہ ہم پرسوں سونیا کی سالگرہ میں آ رہے ہیں یا نہیں؟''

''یہ سونیا کی سالگرہ سال میں کتنی دفعہ ہوتی ہے؟'' سعدی کو حیرت ہوئی۔ ''میری سالگرہ سے چھ دن بعد ہوتی ہے اس کی' اور میری دو ماہ پہلے گزر چکی۔''

''مگر دو ماہ پہلے ہاشم بھائی باہر گئے ہوئے تھے۔ وہیں منا لی۔ پھر واپس آ کر یہاں کا فنکشن کرنے کا وقت اب ملا ہے۔ یہ بھی زرتاشہ آنٹی نے بتایا ہے۔ ہاں مگر میں نہیں جاؤں گی۔''

ندرت نے ہانڈی میں چمچ ہلاتے ہوئے تعجب سے پلٹ کر اسے دیکھا جو اپنے کیک پر کافی بے ڈھنگے انداز میں کریم پھیلا رہی تھی۔ (کب سیکھے گی یہ لڑکی سلیقہ؟)

''کیوں؟''

''کیا فائدہ امیروں کی دعوت میں جانے کا اگر وہ کیمرہ' موبائل ہی اندر نہ لے جانے دیں۔ بندہ پکچرز ہی بنا لیتا ہے۔''

''یہ کوئی وجہ نہیں۔ تم نے جب یہی بات پچھلی دفعہ ہاشم بھائی سے کہی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ تم لے آیا کرو کیمرہ' تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔ اور پھر تمہیں پارٹی کی تصویریں بھی ای میل کروا دی تھیں۔''

''بس بھائی کو موقع ملنا چاہیے ان ہاشم بھائی کے دفاع کا۔ بالکل بھی نہیں پسند مجھے مصنوعی مسکراہٹوں والے ہاشم بھائی اور ان کی ممی۔ انکل اچھے ہیں اور وہ بم پھٹے بالوں والا نوشیرواں بھی بہتر ہے۔''

پھر چونک کر سعدی کو دیکھا۔ ذرا قریب کھسک آئی اور سرگوشی کی۔ ''آپ کی اس سے صلح ہوئی؟''

''صلح؟ بات تک نہیں ہوتی۔ جب سے ڈرگز والی بات اس کی ممی کو بتائی تھی تب سے مجھے بس غصے سے گھور کر نکل جاتا ہے۔''

''کیا اب بھی ڈرگز لیتا ہے؟'' حنین کو تجسس ہوا۔

سعدی نے اسے گھورا۔ ''نہیں لیتا میرے خیال سے۔ مگر یہ بات دہرانا نہیں آگے پیچھے۔''

''اب رکھ بھی دو اس کیک کو فرج میں۔ کھانا بننے والا ہے۔ پہلے وہ تو کھاؤ۔'' امی نے ڈانٹ کر کہا۔ وہ کریم لگاتے ہوئے بے نیازی سے بولی۔

''امی! میں اس بات پہ یقین رکھتی ہوں کہ انسان کو خوب مزے سے ہر چیز کھانی چاہیے۔ اور جو منع کرے۔'' نظر اٹھا کر ندرت کو گھورا۔ ''اسے بھی کھا جانا چاہیے۔''

ندرت کچھ کرارا سناتیں مگر ڈور بیل بجی۔ اب کے سعدی قریب تھا۔

''جاؤ سعدی! پھپھو ہوں گی۔'' وہ مسکرا کر دروازے کی طرف جانے لگا۔ پھر رکا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چہرے پہ خفگی آئی بھنویں سکیڑ لیں اور سنجیدگی سے جا کر دروازہ کھولا مگر یوں کہ ہینڈل پکڑے رکھا اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

باہر زمر تھی۔ نکھری نکھری سی۔ سعدی کو دیکھ کر مسکرائی۔ وہ مشکوک نظروں سے اسے گھورتا رہا۔

''کون ہے سعدی؟'' کوئی آواز نہ آنے پہ ندرت نے پکارا۔

''ایک خاتون ہیں۔ بال گھنگھریالے' آنکھیں بھوری' عمر انتیس سال اور چہرے پہ خوشامدی مسکراہٹ۔'' پھر ذرا وقفہ دے کر زمر کو مخاطب کیا۔ ''جی فرمایئے؟''

وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے بولی۔ ''لارڈ وولڈیمورٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

سعدی ناراضی سے پیچھے ہوا اور دروازہ بند کر دیا۔ ندرت نے کچن سے نکلتے ہوئے یہ منظر دیکھ لیا۔ ہکا بکا رہ گئیں۔ ''پھپھو کو اندر بلاؤ۔''

''رہنے دیں امی! یہ خاتون باہر کھڑی زیادہ اچھی لگ رہی ہیں۔'' منہ دروازے کے قریب کر کے اونچی آواز میں کہا۔ زمر نے مسکراتے ہوئے انگلی سے دروازہ بجایا۔ اس نے دوبارہ دروازہ کھولا۔ اسی سنجیدگی سے پوچھا۔ ''جی؟''

''پروفیسر اسنیپ ٹھیک ہے؟''

سعدی برا سا منہ بنا کر پھر سے دروازہ بند کرنے لگا۔ زمر نے اپنا پاؤں چوکھٹ پہ اڑا دیا اور مصالحانہ انداز میں بولی۔ ''اچھا چلو' تم رون ویسلی کا کردار لے لو۔ اب خوش؟''

ساتھ ہی ہاتھ میں موجود کاغذوں کا پلندہ لہرایا۔ سعدی مشتبہ نظروں سے اسے گھورتا رہا۔ پھر راستہ چھوڑ دیا۔ وہ مسکراتی ہوئی اندر آئی۔ کاغذ کے پلندے سے اس کا شانہ تھپکا اور گول میز تک آئی۔

حنین تب ہی باہر آئی۔ زمر کو دیکھ کر مسکرائی۔ سلام کیا۔ فارس کے رشتے کے انکار کو ایک سال بیت چکا تھا اور حنین کی سرد مہری ختم تو نہیں' مگر کم ضرور ہو گئی تھی۔

''آؤ بیٹھو۔ کیسی ہو تم؟'' ندرت ہاتھ پونچھتی ادھر آئیں۔ ساتھ ہی سعدی کو لتاڑا۔ ''یہ کیا طریقہ ہے؟ پھپھو کو اندر کیوں نہیں آنے دے رہے تھے؟''

''یہ اس وقت بالکل بھی میری پھپھو نہیں ہیں۔'' وہ جل کر بولا۔ ''یہ صرف پراسیکیوٹر ہیں جو ہیری پوٹر کو سزا دلوانا چاہتی ہیں۔''

(ایک تو یہ موا ہیری پوٹر بھی نا....) ندرت نے سوالیہ ان سب کو دیکھا۔ زمر مطمئن سی مسکراتی ہوئی کرسی کھینچ کر بیٹھی۔

''میرے پرانے کالج میں ایک موک ٹرائل ہے سرکار بنام ہیری پوٹر۔ مجھے پہلے بطور جج مدعو کیا گیا تھا مگر دفاع کے پاس ایک پرانا لیٹر تھا' اور میری پراسیکیوشن کے اسٹوڈنٹس سے بنتی بہت ہے' سو میں نے جج کے بجائے استغاثہ بننا بہتر سمجھا۔ اب اس کو دو دن سے کہہ رہی ہوں کوئی کردار بن کر گواہی دینے کے لیے آ جائے مگر نہیں۔''

''موک ٹرائل؟'' ندرت نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''موک ٹرائل جس میں کسی فیری ٹیل' جنگی واقعہ' یا کسی بھی حقیقی یا فرضی کیس کو لے کر کارروائی کی جائے اور فیصلہ سنایا جائے۔ مقصد عموماً طلبا کو سکھانا ہوتا ہے۔'' زمر نے وضاحت کی۔

''سرکار بنام ہیری پوٹر؟'' حنین کو دلچسپی ہوئی مگر جھجکتے ہوئے پوچھا۔ ''ہیری پہ الزام کس چیز کا ہے؟''

''میں بتاتا ہوں۔'' سعدی جو دو دن سے اس ''غیر انسانی'' کیس پہ تپا ہوا تھا' بولنے لگا۔ ''یاد ہے فورتھ بک میں ٹورنامنٹ کے

اختتام پہ ہیری کے ساتھ مقابلے بازلڑ کے سیڈرک کو وولڈیمورٹ نے مار دیا تھا؟''

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''مگر جب ہیری سیڈرک کی لاش اور ٹورنامنٹ کے کپ کے ساتھ واپس آیا تو پولیس نے اسے گرفتار کر لیا اور اس پہ الزام لگایا کہ اس نے ہی سیڈرک کو قتل کیا ہے۔ اور پھپھو استغاثہ میں ہیں۔ اور ہیری کو قاتل ثابت کروا کر ہی دم لیں گی۔''

زمر نے شانے اچکائے۔''فیصلہ کرنا جج کا کام ہے۔ میں تو صرف دلائل دوں گی۔ آخر ہیری اپنے حریف کی لاش کے ساتھ ملا تھا۔''

''مگر آپ کو رون کی گواہی کی ضرورت کیوں ہے؟'' سعدی الجھا۔''رون تو ہیری کا دوست ہے۔ وہ تو اس کے حق میں گواہی دے گا۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ دے دے حق میں گواہی۔'' وہ اب اسے وہ کاغذ نکال کر دے رہی تھی جن میں رون سے متعلق نوٹس تھے۔ چونکہ یہ نان اسکرپٹڈ ٹرائل تھا' اس لیے مشکل تھا۔ زمر عدالت میں کوئی بھی سوال کر سکتی تھی۔ وہ ذرا متوجہ ہو کر سننے لگا۔

حنین خاموشی سے اٹھ آئی۔ امی کی ہانڈی دم پہ تھی اور وہ سعدی کے کمرے میں اس کی چیزیں جوڑ رہی تھیں۔ وہ ہفتہ پہلے آیا تھا' ڈیڑھ ماہ کے لیے۔ ملنے ملانے میں ہی یہ دن گزر گئے۔ زمر کی شادی سر پہ تھی۔ اس سے پہلے وہ کوئی چھ ماہ قبل آیا تھا' بھاگم بھاگ چار دن کے لیے۔ بڑی امی کی وفات پہ۔ سب نے منع کیا کہ''مت آؤ' ایگزامز قریب ہیں۔'' مگر وہ آ گیا اور چلا بھی گیا۔

حنین امی کو مصروف دیکھ کر پلٹنے لگی۔ پھر سعدی کی اسٹڈی ٹیبل پہ دھرا خالی مگ دیکھ کر سوچا' اگر اسے کچن میں لے جا کر رکھ دے تو امی پہ احسان عظیم ہو جائے گا۔ ویری گڈ۔ وہ قریب آئی مگر مگ اٹھانے سے پہلے سعدی کے بیگ سے نکلی کتابوں تک رک گئی جو امی میز پہ ڈھیر کر رہی تھیں۔ ان میں ایک کتاب کا نام منفرد سا تھا۔ اس نے وہ اٹھائی۔ صفحے الٹ پلٹ کیے۔ ہاشم کے دستخط' نیچے محمد اولیٰ کے۔ بھائی کو غالباً ہاشم بھائی نے تحفے میں دی تھی۔

حنین کرسی پہ بیٹھی اور مزید صفحے پلٹے۔ تیرھویں صدی کے کسی عالم کی لکھی گئی عربی کتاب کا انگریزی ترجمہ۔ اس نے دیباچہ پلٹا' شاید کوئی ناول ہو۔ مگر نہیں۔ وہ نان فکشن تھا۔ وہ نہیں پڑھنا چاہتی تھی مگر پھر بھی پڑھنے لگی۔

کتاب کے صفحے کورے تھے اور ان پہ جگمگاتے الفاظ سیاہ ہیروں جیسے۔ اور قلم سے لکھے الفاظ اگر اللہ چاہے تو صدیوں تک امر ہو جاتے ہیں۔ کتاب اور اس کے درمیان موجود سات سو سال کا فاصلہ ان الفاظ کی طاقت کو روکنے کے لیے ایسا تھا جیسے نور کے چشمے کی راہ میں رکھا کوئی لکڑی کا ٹکڑا' جیسے سنہرا پانی محسوس تک کیے بنا بہتا چلا جائے۔

سات صدیوں کا فاصلہ عبور کرنے کے لیے ایک دروازہ تھا اور حنین اس دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ اکیسویں صدی کی حنین ٹراؤزر اور لمبی قمیض میں ملبوس' آنکھوں پہ چشمہ' بال فرنچ چوٹی میں۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اسے کتاب میں داخل ہونے کے لیے یہ دروازہ کھولنا تھا۔ سو اس نے کھول دیا۔ پٹ وا ہو گئے۔ اندر روشنی تھی۔ تیز روشنی۔ حنین نے اندر قدم رکھے۔ دروازہ پیچھے بند ہو گیا۔

وہ ایک کچے راستے پہ کھڑی تھی۔ یہ تیرھویں صدی عیسوی تھی۔ ہر شے زرد اور پھیکے رنگ کی تھی۔ دمشق کا بازار اور ارد گرد سر ڈھانپے گزرتے لوگ۔

وہ احتیاط سے قدم اٹھاتی آگے بڑھنے لگی۔ لوگ گزرتے رہے۔ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایڈونچر اچھا تھا۔ وہ چلتی رہی۔

پھر وہ رکی۔ ایک مسجد نما عمارت کے سامنے مجمع لگا تھا۔ وہ قدم قدم چلتی آگے آئی۔ پنجے اٹھا کر گردن اونچی کر کے کسی کے کندھے کے اوپر سے جھانکا۔

زمین پہ ایک آدمی اکڑوں بیٹھا تھا۔ مریل اتنا گویا ہڈیوں کا پنجر ہو۔ سرخ متورم آنکھیں' ان میں چھپا کرب۔ وہ خراب حالت میں

[illegible] نہ اس کا لباس بوسیدہ تھا' نہ کوئی زخم کا نشان تھا مگر مایوسی اور اذیت نے اسے نڈھال کر رکھا تھا۔ آنکھ میں کوئی ٹھہرا آنسو تھا جو نہ وہ پیتا' [illegible] اسے کیا ہوا تھا؟

مجمع یکا یک چھٹنے لگا۔ وہ بھی پیچھے ہٹ گئی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ لوگ عمارت کی طرف جا رہے تھے۔ وہ بھی پیچھے ہو لی۔ عمارت کی نیچی [illegible] ہواری کے پار دیکھا۔ کچھ لوگ اندر سے کسی کو اپنے ہمراہ لا رہے تھے۔ نفیس' نرم خو دکھتے شیخ معلم۔ وہ لوگ اب شیخ کے ساتھ کھڑے ہو [illegible] سب اس شخص کو دیکھ رہے تھے جوان سے بیگانہ تھا۔ یکسر بیگانہ۔

کسی صدا لگانے والے نے صدا لگائی۔

''کیا فرماتے ہیں آئمہ دین ایسے شخص کے بارے میں جس کا دین اور دنیا اس مہلک مرض نے تباہ کر دیا ہو؟ کیا ہے اس مرض کی کوئی [illegible] اے شیخ (استاد)؟''

امام شیخ نے گردن اٹھا کر آسمان کو دیکھا اور بولے تو حنین کو ان کی آواز صاف سنائی دی جیسے دل میں اتر گئی ہو۔

''اللہ نے اتاری ہے ہر مرض کی دوا۔ جو اسے جانتا ہے' وہ اسے جانتا ہے۔ جو اسے نہیں جانتا' وہ اسے نہیں جانتا۔''

''مگر اسے ہوا کیا ہے؟'' حنین کے لبوں سے پھسلا۔ پھر زبان دانتوں تلے دبائی۔ بھلا سات صدیاں پہلے گزرے شیخ اسے کیسے سمجھ [illegible] تھے؟ نہ اس کے سوال' نہ اس کے جواب۔ مگر شیخ نے دیکھ لیا تھا' اسے بھی اور اس کی آنکھوں میں رقم سوال کو بھی۔ وہ مسکرا کر بولے۔

''اسے مرض عشق ہے۔''

''مرض عشق؟'' اس نے تعجب سے دہرایا۔ ''عشق مرض ہے؟''

''بلکہ جان لیوا مرض ہے!''

''تو....'' اس نے گردن موڑ کر اس اکڑوں بیٹھے شخص کو دیکھا اور پھر شیخ کو۔ ''تو کیا مرض عشق کی بھی کوئی دوا ہے؟''

''یہ مگ رکھ کر آؤ کچن میں!'' دروازے کی دوسری جانب امی آواز دے رہی تھیں۔ حنین نے شیخ کو دیکھا۔ وہ اس کے ٹھہرنے کے [illegible] تھے' مگر وہ نہیں ٹھہری۔ دوڑ کر پیچھے گئی۔ سنہری دھوپ.... سے بھرے دروازے کو دھکیلا اور واپس۔

اس نے کتاب بند کی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ بھائی کی کرسی پہ بیٹھی تھی اور ندرت سر پر کھڑی ڈانٹ رہی تھیں۔ اس نے سر جھٹکا۔ [illegible] پرانی عادت۔ جو پڑھتی' اس کو تصور کرنے لگ جاتی اور اس زمانے میں پہنچ جاتی۔ صرف ایک پیراگراف نے اتنا متاثر کیا' پوری کتاب تو [illegible] کر دے گی۔ ہٹاؤ بھئی' نہیں پڑھنی ایسی کتابیں۔ وہ اٹھی۔ کتاب شیلف میں رکھ دی۔ عنوان قدرے مزید واضح ہوا۔

''ایک مکمل جواب اس شخص کے لیے جس نے سوال کیا تھا' شفا دینے والی دوا کے بارے میں!''

''اچھا امی! سن لیا ہے۔'' وہ ان کی بار بار کی ڈانٹ پہ چڑ کر کہتی مگ اٹھائے باہر نکل آئی۔ گول میز کے گرد پھپھو' بھتیجا ابھی تک الجھ [illegible] رہے تھے۔ آگے آئی۔ زمر نے اسے دیکھا تو کوئی خیال آیا۔

''تمہاری امریکن دوست نے بھی آنا تھا شادی پہ۔ کب آئے گی؟''

''پرسوں۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی۔ ''اسے پاکستان گھومنے کا بہت شوق ہے۔ وہ آئے گی تو ہم سب اسکردو جائیں گے۔'' اور مسکرا کر برتن لگانے لگی۔ (امی پہ دوسرا احسان)

❖❖❖

جنگ ہاری نہ تھی ابھی کہ فراز ..... کر گئے دوست درمیان سے گریز

آفس میں عجیب تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ فاطمی صاحب فائل سامنے رکھے تعجب سے ایک کے بعد ایک صفحہ پلٹ رہے تھے۔ ستائش

سے نظر اٹھا کر سامنے بیٹھے وارث کو دیکھا۔

''امیزنگ ورک! میں نے تمہیں اس کیس کا آئی او بنا کر بہت اچھا کیا۔''

وارث ہلکا سا مسکرایا۔ سر کو خم دیا۔ ''تھینکس سر!'' قدرے توقف سے اضافہ کیا۔ ''یہ فائلز کرپشن چارجز کے ثبوت اور شواہد کی ہے اور کرپشن کیس کھڑا کرنے کے لیے کافی ہے۔ مگر یہ فائل۔'' اس نے الگ رکھی سیاہ کوروالی فائل کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ وہ چیزیں جو ہاشم کاردار کے خلاف مجھے ملی ہیں' یہ ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔ ہم ان کو ایک دوسری ایجنسی میں بھیج سکتے ہیں۔''

''ہاں' میں ایسا ہی کروں گا۔ گڈ جاب غازی!'' انہوں نے فائل بند کر کے ایک طرف رکھی اور اس کو دیکھا۔ وارث سر کو خم دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہمیں اریسٹ وارنٹ نکلوا لینے چاہییں۔''

''شیور! میں جلد از جلد یہ کام کروں گا۔''

یہ اختتامیہ جملہ تھا۔ وارث سر ہلا کر دروازے کی طرف آیا۔ پھر باہر جانے سے قبل ایک سوچتی نظر اپنے باس پہ ڈالی۔ ایک واہمہ۔ مگر سر جھٹک کر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی فاطمی صاحب اٹھے۔ دروازہ لاک کیا۔ موبائل نکالا۔ کال ملائی اور فون کان سے لگائے اس سیاہ فائل کے صفحے پلٹنے لگے۔

ہاشم اپنے آفس میں میز پہ فائلز پھیلائے الجھا بیٹھا تھا۔ موبائل کسی فائل تلے رکھا تھا۔ وائبریشن کی زوں زوں پہ اس نے ادھر ادھر ہاتھ مارا۔ موبائل نکالا اور ہیلو کہا۔ قدرے اکتاہٹ سے۔ کوٹ اسٹینڈ پہ ٹنگا تھا اور وہ ویسٹ میں ملبوس تھا۔

''کیا حال ہیں کاردار صاحب؟''

''گڈ! آپ سنائیے۔'' موبائل کان اور کندھے کے درمیان لگائے وہ فائل کے صفحے پلٹ رہا تھا۔

''اللہ کا کرم۔'' وقفہ۔ ''سنا ہے اورنگزیب کاردار صاحب بائی الیکشن میں حصہ لے رہے ہیں؟ اگلے الیکشن کی ریہرسل۔''

''جی! ان کے دوستوں نے ان کو سیاست میں دھکیل دیا ہے۔ خیر' گڈ فار ہم۔'' وہ فون کان اور کندھے کے درمیان لگائے شیلف تک گیا اور وہاں رکھی فائلوں کو باری باری نکال کر چیک کرنے لگا۔ ''اور کوئی نئی بات؟''

''میری بیٹا مجھ سے ذرا خفا ہے۔ اس کے لیے کار امپورٹ کروائی تھی۔ وہ کراچی پورٹ پہ کھڑی ہے ابھی تک۔ میں مصروف تھا۔ میرا ایک اے ڈی ایک کرپشن کیس پہ کام۔''

''میں بالکل سمجھ گیا فاطمی صاحب!'' جھک کر ایک ڈبہ دونوں ہاتھوں میں اٹھایا اور چلتا ہوا میز تک آیا۔ ذرا سا مسکرایا بھی۔ ''ایک اچھے شہری ہونے کا ثبوت دیجیے۔ کسٹم ڈیوٹی ادا کیجیے اور کار کلیئر کروالیں۔ کیونکہ ہم کام کرتے ہیں آئل کا۔ اور تیل اور پانی میں یہی فرق ہوتا ہے۔ تیل میں کوئی جاندار شے تیر نہیں سکتی۔ جو گرتا ہے' وہ ڈوب جاتا ہے۔ آپ کے اے ڈی نے جو اسکینڈل بنانا ہے' بنا لے کیونکہ یہ امریکہ نہیں ہے۔ یہاں لوگوں کا اخلاقیات کا معیار امریکیوں جتنا بلند نہیں ہے۔ یہاں کوئی افیئر کوئی کرپشن چارج کسی سیاستدان کا کیریر خراب نہیں کر سکتا۔''

''میں بالکل سمجھتا ہوں یہ سب' اس لیے میں نے آپ کو فون کیا پہلے۔ آپ چاہیں تو میں کل ہی اپنے لڑکے سے استعفیٰ مانگ کر کیس بند کر سکتا ہوں۔''

''اسے جاری رکھنے دیں۔ شوق پورا کر لے۔ میرے باپ کے ہاتھ صاف ہیں۔''

چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر فاطمی صاحب نے سیاہ فائل کی جلد پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے سرسری سا کہا۔

''آپ پچھلے مہینے کی دو' تیرہ اور بائیس تاریخ کو پشاور میں ہونے والی میٹنگز میں شامل تھے ہاشم!''

ہاشم کا ڈبہ کو کھولتا ہاتھ رکا۔ بے یقینی سے اس نے سر اٹھایا۔ رنگت پھیکی پڑی۔

''آپ نے درست کہا ہاشم! کرپشن' افیئرز' ڈرگز' یہ پاکستان میں کسی کو تباہ نہیں کر سکتی' مگر ایک چیز کر سکتی ہے۔ علاقہ غیر کے دہشت گردوں کے لیے منی لانڈرنگ کرنا جس کے بدلے وہ آپ کو اپنے علاقوں میں کاروبار کرنے دیتے ہیں۔ اگر آپ ایک دفعہ ملٹری کی بیڈ بکس میں آ گئے تو کوئی بھی چیز آپ کو نہیں بچا سکے گی۔''

وہ خاموش' بالکل ساکت کھڑا تھا۔ گردن میں بار بار ابھر کر معدوم ہوتی گلٹی دکھائی دیتی۔ پھر اس نے تیزی سے جھک کر قلم نکالا۔ نوٹ پیڈ سامنے کیا۔

''کون سی گاڑی ہے؟ ماڈل اور میک؟ اور کس کے نام ہے؟'' وہ تیزی سے قلم کاغذ پہ گھسیٹتا تفصیلات لکھتا گیا۔ دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔

فون بند کر کے' ڈبہ وہیں چھوڑے' کوٹ کھینچ کر اتارتا وہ باہر بھاگا۔ سیکرٹری گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ تیز تیز کاریڈور میں چلتا لفٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ساتھ ہی موبائل پہ کال ملا رہا تھا۔

''خاور! فوراً گھر پہنچو۔ ابھی۔''

.....❖❖❖.....

خواب تو روشنی ہیں' نوا ہیں' ہوا ہیں ..... جو کالے پہاڑوں سے رکتے نہیں

کمرہ عدالت میں کارروائی روانی سے جاری تھی۔ معزز جج صاحبان توجہ اور خاموشی سے براجمان کٹہرے میں کھڑے گواہ (لارڈ ولڈ یمورٹ) کا بیان سن رہے تھے جس سے استغاثہ کی جانب سے زمر جرح کر رہی تھی۔ وہ سرکار بنام ہیری پوٹر کا عینی شاہد تھا۔ اور پیچھے حاضرین کی نشستوں میں روش کے بائیں جانب بیٹھے لوگوں میں سے ایک سعدی بھی تھا جو خفگی سے اسے گھور رہا تھا۔

''تو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ جس وقت مقتول لڑکا قتل ہوا تب آپ قبرستان میں موجود تھے؟'' زمر قلم ہاتھوں میں گھماتی آہستہ آہستہ جج کے سامنے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔

''جی۔'' وولڈ یمورٹ نے تابعداری سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ایک اسٹوڈنٹ تھا جو موقع کی مناسبت سے سیاہ چغے میں ملبوس تھا۔

''اور جس وقت ملزم ہیری مقتول کے ساتھ ادھر آیا' آپ قبرستان میں کیا کر رہے تھے؟''

''میں جی اپنے والد صاحب کی قبر پہ فاتحہ پڑھ رہا تھا۔'' وہ بڑی ہی مسکینیت سے کہہ رہا تھا۔ سعدی نے کلس کر پہلو بدلا۔ قریب بیٹھی لڑکیوں کا ایک گروپ بمشکل ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آپ تو جانتی ہیں۔'' معصوم لارڈ کہہ رہا تھا۔ ''کہ ماشاءاللہ یہ ہیری بچپن سے ہی ماہر عملیات تھا۔ سال بھر کی عمر میں اس نے مجھے ہپناٹائز کر کے آدھا مار ڈالا۔ میں تو تب سے جنگلوں میں در بدر بھٹکتا درویشی کی زندگی گزار رہا تھا۔

''آبجیکشن یور آنر!'' دفاع کا وکیل کھڑا ہو کر چلایا۔ جج نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''غیر متعلقہ۔'' اس نے وجہ بتائی۔

''منظور۔'' جج نے گواہ کو تنبیہہ کی۔ ''غیر متعلقہ باتیں مت کریں۔''

زمر نے سر ہلا کر سنجیدگی سے سوال کیا۔ ''تو پھر عدالت کو بتایئے کہ اس رات کیا ہوا؟''

''ہاں جی! اس رات میں نے اسے اپنے حریف کھلاڑی کے ساتھ قبرستان میں آتے دیکھا تو میں نے پیار سے کہا کہ بیٹا' اس وقت تمہیں بستر میں ہونا چاہیے۔ مگر اس نے کہا کہ انکل' ہمارے معاملے سے دور رہو۔ اور پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ' اپنے حریف کو قتل کر دیا۔ میں تو تب سے جی حالت سوگ میں ہوں۔''

اور سعدی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس وولڈیمورٹ کا حشر کر دے۔ سب کو پتا تھا کہ وہی اصل قاتل ہے مگر یہ اہل قانون تو قانون سے زیادہ اندھے تھے۔

اسے بھی کٹہرے میں بلا لیا گیا۔ زمر نے سوالات کا آغاز کیا۔ ''کیا یہ درست ہے کہ آپ ملزم ہیری کے بہترین دوستوں میں سے ہیں؟''

''جی یہ بات اتنی ہی درست ہے جتنی یہ کہ ہیری بے گناہ ہے۔'' وہ سامنے کھڑی زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرا کر بولا۔ زمر نے سادگی سے اسے واپس دیکھا۔

''یعنی کہ آپ وقوعہ کے وقت موجود تھے؟''

''آ۔ نہیں۔'' وہ گڑبڑایا۔ ''مگر ہیری نے مجھے خود بتایا کہ وولڈیمورٹ نے یہ قتل کیا ہے۔''

''آپ یہ اس بنیاد پہ کہہ رہے ہیں جو ملزم نے آپ کو 'بتایا' ہے؟''

''مجھے معلوم ہے وہ سچ کہہ رہا تھا۔''

''یعنی کہ آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت میں کیا سوچ رہی ہوں؟'' وہ سنجیدہ تھی۔ سعدی بالکل چپ ہو گیا۔

''اپنے جوابات میں رائے کا عنصر شامل کرنے سے گریز کیجیے۔'' جج نے تنبیہہ کی۔

زمر دائیں سے بائیں چلتی ہوئی کٹہرے کے سامنے آئی۔ سنجیدگی سے سعدی کو دیکھا۔

''کیا آپ کسی چوچانگ نامی لڑکی کو جانتے ہیں؟''

''جی۔ وہ مقتول لڑکے کی گرل فرینڈ تھی اور۔'' وہ بے اختیار چپ ہوا۔

''اور ملزم اسی لڑکی کو پسند کرتا تھا۔ اسی بنا پہ وہ مقتول سے رقابت بھی رکھتا تھا۔ کیا یہ درست ہے؟''

''آپ اس بات کو غلط رخ۔''

''ہاں یا نہیں مسٹر رون!'' وہ نرم سی سختی سے بولی۔ اس نے چار و ناچار کہا۔

''جی ہاں۔''

''اور کیا یہ بھی درست ہے کہ مقتول اور ملزم ایک ہی ٹورنامنٹ جیتنے کے لیے کوشاں تھے جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان معمولی سا حریفانہ جذبہ بھی تھا؟''

''جی۔ مگر وہ اتنا کم تھا کہ اس کی بنا پہ ہیری اسے قتل نہیں کر سکتا تھا۔''

''اور کیا یہ بھی درست ہے کہ جس دن ہیری کا نام مقابلے کے لیے منتخب ہوا تھا اس رات آپ اس سے ناراض ہوئے تھے اور جیلیس بھی؟ کیونکہ ہیری کی وجہ سے آپ کی شخصیت ہمیشہ دب جاتی تھی۔''

سعدی کا منہ بے یقینی سے کھلا رہ گیا۔ یہ سب واقعات زمر نے دہرائے تھے رات کو' مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ یوں سوال کرے گی۔

''جی میں صرف جیلیس ہو گیا تھا مگر بعد میں ہم ٹھیک ہو گئے اور مجھے اس ذرا سی خفگی کے لیے بھی افسوس ہے۔''

''اور اسی افسوس اور احساس جرم کے باعث آپ بار بار ہیری کی حمایت کر رہے ہیں۔''

''نہیں تو۔ میں۔''

''آپ ہیری کی حمایت نہیں کر رہے؟''

''میں۔ اس وجہ سے نہیں کر رہا۔'' مگر وہ سنے بنا جج کی طرف رخ کیے کھڑی ہوئی۔ سر کو خم دے کر کہا۔ ''اتنا کافی ہے یور آنر!'' اور واپس پراسیکیوشن کی میز کے پیچھے جا کر ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھ گئی۔

''میں یقین نہیں کر پا رہا۔ ججز کے پینل نے ہیری کو مجرم قرار دے دیا۔ حد ہے۔''

فیصلہ آنے کے بعد کورٹ روم سے نکلتے ہوئے وہ خفگی سے زمر سے بولا تھا۔ زمر مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ چلتی جا رہی تھی۔ راہداری میں ادھر ادھر گزرتے اسٹوڈنٹس کے سلام کا سر کے خم سے جواب دیتی۔ مطمئن' پرسکون سی۔

''ثبوت اس کے خلاف جاتے تھے اور اس کا دفاع کمزور تھا۔''

''سب کو پتا تھا کہ ہیری بے گناہ ہے زمر!'' گھنگھریالے بالوں والا لڑکا ہنوز خفا تھا۔

''جج فیصلے جذبات پہ نہیں کرتا' ثبوت پہ کرتا ہے۔''

''اور آپ نے کیا کیا؟ پہلے مجھ سے وہ باتیں کہلوائیں جو ہیری کے خلاف جاتی تھیں۔ پھر جب دیکھا کہ میری حمایت کا ججز پہ اثر ہو رہا ہے شاید' تو میری کریڈیبلیٹی مشکوک کر دی' ہیری سے جیلسی والی بات کر کے۔ مرا تو دل ہی ٹوٹ گیا۔''

زمر نے چلتے چلتے مسکرا کر آنکھیں گھما کر اسے دیکھا۔

''تم انگلینڈ جا کر تھوڑے اسمارٹ نہیں ہو گئے؟'' مگر وہ خفا خفا سا چلتا رہا تو زمر نے کاغذات کا رول بنا کر اس کے کندھے پہ دھپ ماری۔ وہ ناراضی سے پلٹا۔

''موک ٹرائل ختم ہو چکا۔ حقیقی زندگی کی طرف لوٹ آؤ۔''

سعدی مسکرا دیا۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ (دفع کرو ہیری کو' جادوگر کی اولاد نہ ہو تو)

''آپ کی چھٹی منظور ہو گئی؟''

''ہاں۔'' وہ گہری مطمئن سانس لے کر بولی۔ وہ راہداری سے نکل کر لان تک آ چکے تھے۔ اتنے سال کی پڑھائی اور جاب کے بعد واقعی چھٹی' یوں لگتا ہے جیسے صدیوں کی تھکن اترے گی۔ کوئی توضیح میں بھی جاگوں آفس جانے کی ٹینشن کے بغیر!

''ہوں۔ اور ہاشم بھائی کی بیٹی کی پارٹی میں آ رہی ہیں؟'' وہ گاڑی تک آتے ہوئے یاد آنے پہ پوچھ بیٹھا۔

''میں بالکل نہ آتی مگر اس دن ابا کورٹ آئے کام سے اور ہاشم مل گیا۔ اس نے خود دعوت دے دی۔ ابا بھرم رکھ لیں گے مگر ان کو بھی کسی طرح کوئی خاص پسند نہیں آیا۔''

وہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے بتا رہی تھی۔ سعدی ''گڈ'' کہہ کر بیٹھ گیا۔ ہاشم بھائی کو وہ پسند نہیں کرتی تھی اس لیے وہ ان کا ذکر سے کترا جاتا تھا۔

.....❖❖❖.....

میں بڑھتا ہوں زندگی کی جانب لیکن ..... زنجیر سی پاؤں میں چھنک جاتی ہے

راہداری میں سعدی کے کمرے کا دروازہ کھلا نظر آ رہا تھا۔ اندر وہ کھڑا جلدی جلدی ٹائی پہن رہا تھا۔ ابھی مکمل تیار نہیں ہوا تھا اور ابھی شروع ہونے میں کم وقت رہ گیا تھا۔ آگے چلتے جاؤ تو گول میز آتی۔ اندر مڑ جاؤ تو لاؤنج میں اونچی آواز سے ٹی وی چل رہا تھا۔ ایک

صوفے ہی فارس ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' گرے کوٹ اور گول گلے کی سفید شرٹ میں ملبوس بیٹھا بار بار گھڑی دیکھتا' اور کبھی ندرت کو جو جیولری پہننے کے ساتھ ساتھ سیم اور سعدی دونوں کو زور سے ڈانٹ کر جلدی نکلنے کا کہہ رہی تھیں۔ پھر تو پوں کا رخ سامنے بیٹھی خفا خفا سی' گھر کے کپڑوں میں ملبوس حنین کی طرف ہوا۔

''کب تیار ہو گی تم؟ ماموں کب سے لینے آئے بیٹھے ہیں۔''

وہ سر جھٹک کر بڑبڑا کر رہ گئی۔ ''نہیں جانا مجھے کسی پارٹی وارٹی میں۔ بس اتنا کہا تھا کہ مجھے آج شام علیشا سے ملوانے کوئی اس کے ہوٹل لے جائے' مگر نہیں۔''

ندرت نے اسے نظر انداز کیا اور لینڈ لائن فون اٹھا کر ریسیور کان سے لگایا۔ سیٹ گھٹنے پہ رکھا۔ نمبر ڈائل کرتے آواز لگائی۔

''سعدی! جلدی کرو۔ پھپھو لوگ پہنچ گئے ہوں گے۔''

فارس نے چونک کر ندرت کو دیکھا۔ ''وہ لوگ بھی مدعو ہیں؟'' سرسری سا پوچھا۔

(حنین نے کن اکھیوں سے فارس کا بے تاثر چہرہ دیکھا) ''ہوں۔'' ندرت اب ہمسائی خاتون سے فون پہ بات کرنے لگی تھیں۔ میٹھے' نرم لہجے میں۔

''السلام علیکم بھابی! جی میں ٹھیک۔ آپ نے صبح کڑھی بھیجی تھی' میں شکریہ ہی نہیں ادا کر سکی۔ جی۔ آپ نے اتنا تکلف کیا۔ ایک منٹ۔'' ریسیور کے ماؤتھ پیس پہ ہاتھ رکھا' غصے سے حنین کو دیکھ کر چلائیں۔ ''آہستہ کرو ٹی وی کی آواز۔ آگ لگے اس ٹی وی کو۔ میں کیا کہہ رہی ہوں حنین؟ میں ایک دفعہ اٹھ گئی نا' جوتے لگا لگا کر حشر بگاڑ دینا ہے میں نے۔''

حنین نے تلخی سے ریموٹ اٹھا کر زور سے بٹن دبایا۔ آواز بند۔ سارے اداکار گونگے ہو گئے۔ ندرت واپس نرمی سے فون پہ بات کرنے لگیں۔ وہ ان بھولی ماؤں میں سے تھیں جن کو پورا یقین تھا کہ ریسیور کے ماؤتھ پیس پہ ہاتھ رکھ دینے سے آواز دوسری طرف بالکل نہیں جاتی۔

فارس نے آنکھیں سکیڑ کر حنہ کو دیکھا۔ ''تمہارا موڈ کیسے بہتر ہو گا؟ اٹالین کھانے سے؟''

''اگر اب میں نے اٹالین کھانے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو میرا نام حنین نہیں۔'' وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

''پھر؟''

''علیشا سے ملنا ہے۔ میری دوست۔ مگر سب مصروف ہیں۔''

ندرت نے بات کرتے کرتے جھک کر جوتا اتارنا چاہا مگر سینڈل کے اسٹریپ بند تھے۔ اب کون کھولے' وہ بھی اس ڈھیٹ اولاد کے لیے۔ واپس کڑھی نامہ سنانے لگیں۔

فارس نے موبائل نکالا' کال ملائی۔

''وارث! تم اور سارہ آ رہے ہو نا؟ اوکے آپا کی طرف آ کر ان سب کو لے جاؤ۔ میں حنین کو اس کی دوست کی طرف لے کر جا رہا ہوں۔'' موبائل بند کیا اور ہکا بکا بیٹھی حنین کو دیکھ کر ابرو اٹھائی۔

''دس منٹ میں تیار ہو کر آؤ ورنہ میں جا رہا ہوں۔''

ندرت ''ہیں' ہیں'' کرتی رہ گئیں اور وہ کرنٹ کھا کر اٹھی۔ بے یقینی سے فارس کو دیکھا۔

''مگر آپ پارٹی میں کیوں نہیں جا رہے؟''

''کیونکہ میں تم لوگوں کے ساتھ جا رہا ہوں۔''